

ماہنامہ حیات

بنارس

| | | | |
|-----------|---------------------|--------------------|--------|
| شمارہ ۸-۹ | شعبان و رمضان ۱۴۳۰ھ | اگست و ستمبر ۲۰۰۹ء | جلد ۲۷ |
|-----------|---------------------|--------------------|--------|

| مدیر | اس شمارہ میں |
|-------------------------------|---|
| عبدالوہاب حجازی | ۱- درس قرآن |
| پتہ | ۲- درس حدیث |
| دارالتالیف والترجمہ | ۳- افتتاحیہ |
| بی ۱۸/ا جی، ریوڑی تالاب | ۴- کتابوں کی دنیا |
| وارانسی - ۲۲۱۰۱۰ | ۵- ماہ رمضان کی فضیلت اور..... |
| بدل اشتراک | ۶- دارالحدیث رحمانیہ، دہلی کے قیام.. |
| سالانہ ۱۲۰/روپے | ۷- غسل کے احکام و مسائل..... |
| فی پرچہ ۱۲/روپے | ۸- مختصر مسائل زکوٰۃ |
| ○ | ۹- زکوٰۃ کے منتخب مسائل |
| اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب | ۱۰- ماہ رمضان اور تلاوت قرآن کریم |
| ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم | ۱۱- دعا تقرب الہی کا بہترین ذریعہ |
| ہو چکی ہے۔ | ۱۲- رمضان المبارک احتساب نفس کا مہینہ |
| | ۱۳- موطا امام مالک کی ایک روایت... |
| | ۱۴- ہم جنسی و بد فعلی اور تعلیمات مذاہب |
| | ۱۵- اہل قلم سے گزارش |
| | ۱۶- مصنف دیوان گلشن..... مولانا نظام الرحمن.. |
| | ۱۷- سرزمینِ دوآبہ میں وہابی تحریک..... |
| | ۱۸- مجلس منظمہ جامعہ بنارس کا سالانہ اجلاس |
| | ۱۹- باب الفتاویٰ |
| | ۲- عبداللہ سعود بن عبد الوحید |
| | ۵- مولانا عبدالسلام مدنی |
| | ۶- مدیر |
| | ۱۱- ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری |
| | ۲۲- شیخ محمد بن عبداللہ السبیل |
| | ۳۰- مولانا سعد اعظمی |
| | ۳۶- مولانا عبدالولی عبدالقوی سلفی |
| | ۴۰- ابوعدنان محمد منیر قمر |
| | ۴۶- شیخ ابن باز |
| | ۵۰- عبدالکریم عبدالعلیم |
| | ۵۳- محمد ریحان الطاف حسین سلفی |
| | ۶۸- ابوالقاسم عبدالعظیم |
| | ۷۳- مولانا محمد حنیف مدنی |
| | ۷۷- صدیق حسن نفیس احمد |
| | ۸۱- نور الہدی عین الحق سلفی |

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

اللہ تعالیٰ کے اجر عظیم کے پانے میں مرد و عورت میں تفریق نہیں

عبداللہ سعود بن عبدالوہید

﴿ إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴾ (احزاب: ۳۵)

ترجمہ: بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں و مومن مرد اور مومن عورتیں و فرماں برداری کرنے والے مرد اور فرماں بردار عورتیں و سچے مرد اور سچی عورتیں و صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں و عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں و خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، و اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں واللہ کا بکثرت ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں، ان (سب) کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

مساوات انسانی پر عظیم آیت جس میں یہ واضح کر دیا گیا کہ اللہ کے یہاں اجر پانے میں مرد و عورت کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے پہلے آدم کو پیدا کیا پھر حوا کو اور سورہ نساء (یعنی عورت کے نام کی سورہ) کی آیت نمبر ۳۴ میں فرمایا کہ مرد و عورتوں پر چند وجوہات کی بنا پر حاکم ہیں، اسی مناسبت سے پہلے مرد کا ذکر ہے پھر عورت اور اخیر میں ”لہم“ مذکر ضمیر ذکر کر کے اس میں مرد و عورت دونوں کو شامل کر کے یہ اشارہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں احکام وارد ہیں اس میں اگرچہ مذکر لفظ استعمال ہوا ہے مگر حکم مرد و عورت دونوں کے لئے برابر ہے سوائے ان مخصوص احکام کے جو صرف عورتوں کے لئے ہیں۔

قرآن مجید کے اس اسلوب سے جس میں عموماً مردوں سے خطاب ہے کچھ عورتوں کے دل میں یہ احساس ہوا جس کا ذکر اللہ کے رسول ﷺ سے کیا، جس پر اللہ نے یہ تفصیلی آیت نازل کر کے عورتوں کی دلجوئی کی، اور یہ اشارہ دیا کہ اللہ کے یہاں مرد و عورت میں کوئی تفریق نہیں ہے۔

اگر ایک عورت نیکی کا کوئی کام کرے گی تو اس کو بھی ویسا ہی اجر ملے گا جو ایک مرد کو ملے گا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مختلف کاموں کو گنایا ہے، جن کو مرد یا عورت انجام دیتی ہے، اور ان کے بعد دو عظیم چیزوں کی خوشخبری دی ہے ایک مغفرت اور دوسرا اجر عظیم، انسان سے نیکی کے کاموں کو انجام دینے میں کوتاہی اور غلطی کا بھی امکان ہے، اگر اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے حسن نیت اور خلوص کے ساتھ کوئی ان کاموں کو بجالائے گا تو اس کے لئے اللہ کی مغفرت کی خوشخبری ہے یعنی اللہ اس کو معاف کر دے گا، رمضان المبارک کے روزہ کے سلسلہ میں اللہ کے نبی محمد ﷺ سے منقول ہے کہ ”من صام رمضان ایمان واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه“ یعنی جو کوئی اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور نیکی کی نیت سے رمضان کا روزہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے تمام گناہوں کو بخش دے گا، روزہ جیسی عظیم عبادت کے اجر میں مغفرت کی خوشخبری اللہ کے نبی دے رہے ہیں، اسی سے ہر شخص کو سمجھ لینا چاہئے کہ بغیر اللہ کی مغفرت پائے کسی کی نجات مشکل ہے۔

یہاں پر اس بات کو بھی ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ مغفرت الہی ہی جنت کے دخول کا راستہ ہے، اور قرآن مجید کی اسی سورہ نساء ۴۸ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشے گا اور سورہ مائدہ ۷۲ میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ جو کوئی شرک کا مرتکب ہوگا تو اس کے لئے اللہ نے جنت حرام کر دیا ہے، اب اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہوگا۔

ایک مسلمان کا قرآن مجید پر ایمان ہوتا ہے، اور رمضان المبارک کے مہینہ میں اس قرآن مجید کی تلاوت کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے، مسجدوں میں اس کے ختم میں ہم شریک ہوتے ہیں، یہی قرآن مجید اللہ کے احکام و نواہی کے لئے سب سے اہم، پختہ اور مضبوط دلیل ہے، اس کے ایک حرف پر کوئی مومن شک نہیں کر سکتا، یہ اللہ کا کلام ہے، اور اسی سورہ نساء کی آیت نمبر ۸۷ اور ۱۲۲ میں یہ فرمایا گیا ہے: ”اور کون ہے جو اپنی بات میں اللہ سے زیادہ سچا ہو.....“، ان تمام حقائق کے باوجود جب عمل کا میدان آتا ہے، تو ہم ایمان میں کمزوری کا ثبوت پیش کر دیتے ہیں، اور ایسا ایسا عمل کرتے ہیں جو ایک ایسا انسان بھی کرتا ہے جو قرآن پر سرے سے ایمان ہی نہیں رکھتا، اور مصیبت و پریشانی کے وقت قرآنی ہدایات کو بھول جاتے ہیں، سورہ اسراء کی آیت نمبر ۲۰ پر ہم دھیان نہیں دیتے جس میں اللہ نے فرمایا کہ ہر ایک کو ہم بہم پہنچاتے ہیں، انہیں (جنت کا راستہ اختیار کرنے والے کو) بھی اور انہیں (جہنم کا راستہ اختیار کرنے والے کو) بھی اور (اے محمد ﷺ) تیرے رب کی بخشش (کسی سے) رکی ہوئی نہیں ہے، قرآن مجید کے ساتھ اہتمام کرنے والے مسلمان کو فیصلہ کرنا چاہئے کہ وہ ضرورت و مصیبت کے وقت کس سے مانگے۔

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے مختلف نیک کاموں کو گنایا ہے، اور یہ آیت کچھ مسلم عورتوں کے استفسار پر نازل ہوئی تھی وہ عورتیں ایمان میں پختہ تھیں اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لائی تھیں، ان کے سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اللہ کے نبی ﷺ کے بارے میں سورہ نجم میں بتایا گیا ہے کہ وہ جو بھی بتاتے ہیں سب وحی الہی ہوا کرتی ہیں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ اس پر ہر مسلمان کا پورا ایمان ہونا چاہئے کہ قرآن مجید میں جو بھی ہے سب برحق ہے اور نبی کریم ﷺ سے جو بھی منقول ہے سب برحق ہے، مسند احمد میں ایک صحیح حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے آپ سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول اسلام کے بارے میں مجھے کچھ ایسی بات بتائیے کہ آپ کے علاوہ پھر میں کسی سے اس بارے میں نہ پوچھوں تو آپ ﷺ نے جواب دیا: ”قل آمنت بالله ثم استقم“ کتنا پیارا اور جامع جملہ ہے، آپ نے فرمایا: اے صحابی کہو میں اللہ پر ایمان لایا پھر اسی پر جتنے رہو۔

آج مسلمان کسی جگہ کی بھیڑ دیکھ کر مرعوب ہو جاتا ہے، لوگ اپنا تجربہ بتاتے ہیں اور اس سے بہک جاتا ہے، حالانکہ مسلمان کا تقاضا یہ ہے کہ قل آمنت بالله ثم استقم، ایمان کے بعد آدمی ڈگمگائے نہیں، اسلام دلائل اور براہین کا مذہب ہے جس کا ہر حکم دلیل کے ساتھ ہے، قلت و کثرت سے کچھ فرق نہیں پڑتا، قیامت کے دن کچھ نبی ایسے بھی ہوں گے جن کی امت میں چند ہی لوگ نجات پانے والے ہوں گے، قرآن مجید میں سورہ انعام کی آیت نمبر ۱۱۵ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے کہ دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا ماننے لگیں تو آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی بات کرتے ہیں۔

اور سورہ اعراف آیت نمبر ۳ میں یہ حکم ہے کہ جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے نازل کیا گیا ہے، اسی پر گامزن رہو اس کے علاوہ کسی کی بات نہ مانو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام کو سمجھنے اور اس کے بتائے ہوئے طریقہ پر چلنے کی توفیق بخشے، اور معاشرہ میں رائج غیر اسلامی طریقوں سے بچائے، اور ہمیں تقویٰ کی دولت سے نوازے، آمین۔

جود و سخا

تحریر: مولانا عبدالسلام مدنی / استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

عن عائشة، أن بعض أزواج النبي ﷺ قُلْنَ للنبي ﷺ: أينا أسرع بك لحوقاً؟ قال: أطولكن يداً. فأخذوا قصبه يذرعونها، وكانت سودة أطولهن يداً، فعلمنا بعد أنما كان طول يدها الصدقة، وكانت أسرعنا لحوقاً به زينب، وكانت تحب الصدقة. رواه البخاري.

وفي رواية مسلم: قالت: وكانت يتناولن، قالت: أيتها أطول يداً، فكانت أطولنا يداً زينب، لأنها كانت تعمل بيدها تتصدق. (مشكاة ج ۱، ص ۱۶۵)

قال صاحب المراجعة: رواه البخاري في الزكاة، وأخرجها مسلم في الفضائل. (مرعاة ج ۶، ص ۳۰۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی بعض بیویوں نے آپ سے استفسار کیا کہ ہم میں سے کون (وفات پا کر) جلد آپ سے ملے گی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے ہاتھ کی جو لمبی ہے۔ تو آپ کی ازواجؓ نے ایک لکڑی لیا اور اسے اپنے ہاتھوں سے ناپنے لگیں (کہ کس کا ہاتھ حسی طور پر طویل ہے)؟ حضرت سودہؓ ان میں ہاتھ کی طویل تھیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بعد میں ہم لوگوں نے جانا کہ ہاتھ کے طول سے مراد صدقہ و خیرات کی کثرت و زیادتی ہے (حسی نہیں) اور ہم میں سے سب سے جلد آپ ﷺ (وفات پا کر) ملنے والی حضرت زینب بنت جحشؓ تھیں، یہ صدقہ کرنا زیادہ پسند کرتی تھیں۔ (بخاری شریف) اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ: آپ کی ازواج آپس میں ہاتھ کے طول کو (حسی طور پر) اندازہ کرنے لگیں کہ کس کا ہاتھ لمبا ہے۔

اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ: ہم میں سے طویل ہاتھ والی (معنوی طور پر صدقہ کے اعتبار سے) حضرت زینبؓ تھیں، اس لئے کہ وہ اپنے ہاتھ سے (چمڑے کی دباغت دے کر) کمائی کرتی تھیں اور صدقہ و خیرات کر دیا کرتی تھیں۔ (اور وہی آپ ﷺ سے انتقال کر کے جلد ملیں)۔ (مسلم شریف)

تشریح: شریعت اسلامیہ میں جود و سخا اور صدقہ و خیرات کی بڑی ترغیب و فضیلت وارد ہوئی ہے، ایک مرفوع روایت کے الفاظ ہیں: ”من تصدق بعدل تمرة..... حتى تكون مثل الجبل“ (متفق علیہ) یعنی جس انسان نے اپنی حلال کمائی سے ایک کھجور کے دانہ کے برابر کوئی صدقہ کیا تو اللہ پاک اسے قبول فرماتا ہے اور اسے بڑھاتا ہے یہاں تک وہ دانہ پہاڑ کی طرح ہو جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عائشہؓ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت زینبؓ جو د و سخا کی اتنی خوگر تھیں کہ چمڑے کی دباغت خود دے کر اس کی قیمت صدقہ کر دیا کرتی تھیں۔

اللہ کے رسول ﷺ خود انتہائی سخی اور جود و کرم کرنے والے تھے، اور خاص طور پر ماہ رمضان المبارک میں تو آپ کا جود و کرم رفتار ہوا سے بھی زیادہ ہو جاتا تھا، بخاری شریف کے الفاظ ہیں: ”كان رسول الله ﷺ أجود الله الناس، وكان أجود ما يكون في رمضان.....، فلرسول الله ﷺ أجود بالخير من الريح المرسلة“۔ (بخاری ج ۱، ص ۴)

یعنی آپ ﷺ لوگوں میں سب سے سخی تھے، اور رمضان المبارک میں اور زیادہ سخی ہو جاتے،..... پس اللہ کے رسول ﷺ (رب کی طرف سے) بھیجی ہوئی ہوا سے زیادہ جود و کرم والے تھے۔ (بخاری شریف)

رب العالمین! امت مسلمہ کو جود و سخا، اور صدقہ و خیرات کا خوگر بنا، خصوصاً رمضان المبارک میں۔ آمین۔ ☆☆☆

افتتاحیہ

سورج چاند ایک اللہ کو پہچاننے کی نشانیاں ہیں

۲۲/ جولائی ۲۰۰۹م/ ۲۸/ رجب ۱۴۳۰ھ صبح ساڑھے پانچ بجے سورج گرہن لگا جس سے چند منٹ تک بنارس اور الہ آباد وغیرہ شہروں میں مکمل اندھیرا چھا گیا، ہم اس وقت ایک طالب علم کی اقتداء میں کسوف کی نماز میں منہمک تھے سورج گرہن کی سخت تاریکی نے اللہ کے خوف میں مزید اضافہ کر دیا کہ وہ سورج جس کی چمک سے سارا عالم بقعہ نور بنارہتا ہے اور ایسا نامعلوم کتنے ہزاروں برس سے ہو رہا ہے، اللہ اپنی قدرت سے اس کی چمک کوتاڑ کیوں میں بدل دیتا ہے، انسانوں اور چرند پرند کا نظام زندگی بدل جاتا اور کائنات کی نامعلوم بے شمار مخلوقات پر اس کے کیا کیا اثرات پڑتے ہیں اللہ ہی بہتر جان سکتا ہے، سورج چاند گرہن سے کئی باتیں درس عبرت بن کر سامنے آتی ہیں جن میں سے کچھ اہم باتوں کا تذکرہ میں قرآنی آیات اور احادیث کی روشنی میں ذیل کی سطور میں کر رہا ہوں۔

(۱) سورج چاند اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق ہیں: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا، وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابِ“ (یونس / ۵) وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے سورج کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا، اور اس کے لئے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو۔ صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”ان الشمس والقمر ایتان من آیات اللہ۔“ سورج اور چاند ایک اللہ اس کے تنہا رب، خالق، مالک اور مدبر و منتظم ہونے کی نشانیاں ہیں، لہذا انسان کی سعادت اور عظمت اس میں ہے کہ مخلوق کو خالق اور معبود کا درجہ نہ دے۔

(۲) اللہ نے ان کو متعین ڈیوٹی پر لگا رکھا ہے: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ، وَالْقَمَرَ قَدَرْنَا مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ، لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ، وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ“ (یس / ۳۸، ۴۰) اور سورج کے لئے جو مقررہ راہ ہے وہ اسی پر چلتا رہتا ہے، یہ ہے مقرر کردہ غالب، با علم اللہ تعالیٰ کا، اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں یہاں تک کہ وہ لوٹ کر پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے، نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ چاند کو پکڑے اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے، اور سب کے سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں۔

نا معلوم کتنے زمانے سے بندھی ٹکی ڈیوٹی انجام دینے والے اور اپنی متعین راہ سے بال برابر ادھر ادھر نہ ہو سکے والے سورج، چاند اور دیگر ستارے سیارے اللہ کی جانب سے خادم ہیں، انہیں مخدوم کا درجہ دینا انسان کی توہین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں ہمارے لئے بہت سے فائدے بھی رکھے ہیں، سورج سے روشنی اور گرمی ملتی ہے جو بڑی ہی متوازن ہے، گرمی سے پودے بڑھتے ہیں، سورج کے اثر سے ہوائیں چلتی ہیں، بارش ہوتی ہے، اس سے دن رات بنتے اور وقت و سمت کا اندازہ ہوتا ہے، سخت ترین گرمی جو حد اعتدال سے باہر ہوتی ہے بعض حدیثوں میں اس کا سبب جہنم کا سانس لینا بتایا گیا ہے، یہ قدرت الہی کا دوسرا نہایت بڑا نظام ہے جو اس نظام پر قدرے اثر انداز ہوتا ہے، اسی طرح چاند کے بہت سے فائدے ہیں، اللہ نے اس کی اٹھائیس منزلیں مقرر کیں، روزانہ ایک منزل طے کرتا اور دو راتیں غائب رہ کر نئے چاند کی شکل میں تیسری رات کو نکل آتا ہے، چاند کی اسی گردش سے زمین والے اپنے دن، مہینے اور سال کا حساب جانتے اور مقرر کرتے ہیں، اس کے علاوہ چاندنی میں پکنے والے پھلوں کے ذائقے عمدہ ہوا کرتے ہیں، سمندروں کے موج اور حرکت اور جوار بھانا پر چاند کی قوت کشش کا بڑا اثر ہوتا ہے، یہ قوت کشش بھی نہایت درجہ حد اعتدال میں رکھی گئی ہے، عبادتوں کے اوقات سورج اور چاند سے مقرر کئے گئے ہیں قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ غرض یہ سب تاثیرات اور فوائد اس اللہ نے رکھے ہیں جس کی یہ مخلوق ہیں۔

(۳) چاند سورج اور پوری کائنات اللہ کو سجدہ کرتی ہے: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ، وَكَثِيْرٌ حَقٌّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ يُهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرَمٍ، اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ۔“ (الحج / ۱۸)

کیا تو نہیں دیکھ رہا ہے کہ اللہ کے سامنے سجدے میں ہیں سب آسمانوں والے اور سب زمینوں والے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان بھی، ہاں بہت سے وہ بھی ہیں جن پر عذاب کا مقولہ ثابت ہو چکا ہے، جسے اللہ ذلیل کر دے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں، اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

آیت کا حقیقی معنی یہ ہے کہ تمام مخلوقات کائنات اپنے اپنے طریق پر اللہ کو سجدہ کرتی ہیں، ہم ان کے سجدہ و تسبیح کو نہ سمجھ سکیں یہ دوسری بات ہے، اس میں سورج اور چاند کے بھی اللہ کو سجدہ کرنے کا ذکر ہے، اس سے یہ بات سمجھنی چاہئے کہ جب سورج چاند خود اللہ کو سجدہ کرتے ہیں تو ان کو سجدہ کرنا انسان کی تذلیل ہے، اسی لئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔“ (حم)

السجدة / ۳۷) تم سورج کو سجدہ نہ کرو نہ چاند کو بلکہ سجدہ اس اللہ کے لئے کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے، اگر تمہیں اسی کی عبادت کرنی ہے تو۔

(۴) سورج چاند کی پوجا اور انبیاء و صلحاء کی اصلاح: اوپر نقل کی گئی قرآنی تعلیمات تمام آسمانی کتابوں کی تعلیم اور ہر زمانہ کے تمام نبیوں کی ہدایت رہی ہے لیکن اس کے باوجود قدیم زمانہ سے بہت سی قوموں میں ان کی پوجا کا رواج چل نکلا، بابل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم سورج چاند کی پوجا کرتی تھی، ملکہ سبا بلقیس حمیری کی قوم سورج کی پرستار تھی، روم و یونان اور ہندوستان میں بھی سورج کی پرستش کا رواج ہوا، انبیاء و صلحاء نے خالق کی عبادت کے خلاف اس بگاڑ کی اصلاح کی، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وقت کے بادشاہ نمرود نے ان کے رب کے بارے میں مناظرہ کیا جس کا ذکر قرآن نے اس طرح کیا ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ، إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ، قَالَ أَنَا أَحْيِي وَأُمِيتُ، قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ، وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ۔ (البقرة / ۲۵۸)

کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جو سلطنت پا کر ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑ رہا تھا، جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے، وہ کہنے لگا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں، ابراہیم نے کہا اللہ تعالیٰ سورج کو پورب کی طرف سے لے آتا ہے تو اسے پچھم سے لے آ، اب تو وہ کافر بھونچکا رہ گیا، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

یعنی سورج خالق کائنات کے نظام کا پابند ہے اور نمرود اس نظام کے برخلاف تصرف کرنے کا اہل نہیں لہذا نمرود رب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور نہ سورج ان کا معبود بننے کے لائق ہے کہ وہ خود ہی خالق عالم کا غلام ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس علاقہ کے متعدد ممالک و اقوام میں اللہ کی عبادت کا وہ غلغلہ بلند کیا کہ معبودان باطلہ کی پرستش کا فور ہو گئی۔

ملکہ بلقیس اور اس کی قوم کے متعلق قرآن مجید کا بیان ہے:

وَجَدْتُنَّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ۔ (النمل / ۲۴)

میں نے اسے اور اس کی قوم کو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے پیغمبرانہ علم و ایمان اور شاہی شان و شوکت کے حوالہ سے بلقیس کو اسلام اور توحید

کی دعوت دی جسے اس نے قبول کر لیا اور آفتاب پرستی سے توحید کی شاہراہ پر آگئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَ أَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ (النمل / ۴۴)

کہنے لگی میرے پروردگار میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، اب میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العلمین کی مطیع و فرمان بردار بنتی ہوں۔

(۵) سورج چاند کی پوجا کے اسباب: شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ”حجۃ اللہ البالغۃ“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ نجومیوں کا عقیدہ ہے کہ ستارے عبادت کے مستحق ہیں، ان کی عبادت سے دنیا میں نفع ہوتا ہے، ان کے سامنے اپنی حاجات پیش کرنا حق ہے، ہمیں یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ روزانہ کے واقعات میں، آدمی کی سعادت اور شقاوت میں، اس کی صحت اور بیماری میں ان ستاروں کے عظیم اثرات ہوتے ہیں اور یہ کہ ستاروں میں عقل و فہم رکھنے والی غیر مادی روہیں ہوتی ہیں جو ان کی حرکت کا سبب ہیں اور یہ کہ اپنے عبادت کرنے والوں سے یہ غافل نہیں ہوتیں، چنانچہ ان لوگوں نے ان ستاروں کے نام پر پوجا گھر اور مورتیں بنائیں اور ان کی پوجا کرنے لگے۔

یہ عقیدہ مذکورہ بالا جملہ انبیاء و صلحاء اور تمام آسمانی کتابوں کے عقیدہ کے برخلاف ہے، اس لئے باطل ہے، دوسرے ان ستاروں میں غیر مادی عاقل روحوں کے پائے جانے کا عقیدہ محض خیال اور وہم ہے جس کے لئے کوئی یقینی دلیل نہیں ہے، تیسرے سورج چاند وغیرہ کے کچھ اثرات اور منافع یقیناً میں سے ہیں جو اللہ کے مقرر کردہ مصالح اور اس کی مشیت کے تابع ہیں، ایک وقت آئے گا جب وہ ان سے ان اثرات و منافع کو چھین لے گا، لہذا انہیں پوجنا باطل اور توہین انسانیت ہے۔

(۶) سورج چاند بڑی مخلوق ہیں لیکن بہت چھوٹی بھی ہیں: عام انسانوں پر سورج چاند کی عظمت کے اثرات پڑتے ہیں ہزاروں کلومیٹر دور چلے جائیے وہی سورج وہی چاند ساتھ ساتھ ملتے ہیں، تمام انسانوں کے سامنے انسان، پیڑ پودے، حیوانات میں سے بہت سے افراد جو ان پھر بوڑھے ہو کر فنا ہو جاتے ہیں لیکن چاند، سورج اور ستارے جو ان کے توں نظر آتے ہیں، انسان بچپن سے بوڑھا ہو کر مر جاتا ہے لیکن ان سب کی جوانی قائم و دائم ہوتی ہے، دراصل یہ بڑی مخلوقات ہیں، اللہ کی غلامی میں لگی ہوئی ہیں آسمان سے متعلق علوم سے شغف رکھنے والے کہتے ہیں کہ سورج میں تیرہ لاکھ زمینیں بن سکتی ہیں، پہلے زمین کی عظمت کا اندازہ لگائیے پھر سورج کی عظمت کو سوچیے، پھر یہ زمین، سورج اور چاند اور ستارے جن وسیع و عریض آسمانوں میں ہیں جدید ماہرین فلکیات کا کہنا ہے کہ ان آسمانوں کی حدود انتہا معلوم کر پانا ناممکن ہے، ظاہر ہے کہ ان مخلوقات کی عظمتوں کے احساس کے ساتھ اگر نجومیوں کا مذکورہ وہم و خیال شامل ہو جائے تو عام لوگوں کے لئے سورج چاند اور ستارے پرستی کی راہ کھل جانا دشوار نہیں، لیکن اگر توحید و اطاعت الہی کا مذکورہ بالا عقیدہ آدمی سمجھتا ہو تو اس باطل عقیدہ کی دال نہیں گلے گی اور یہ عظیم مخلوقات اللہ، خالق کائنات کی غلام ہی معلوم ہوں گی۔ مزید یہ کہ یہ مخلوقات اپنی عظمتوں کے باوجود اللہ کی ان مخلوقات کے مقابل حد درجہ چھوٹی ہیں جو یقینی دلائل سے ثابت ہیں اور جن کا عقیدہ رکھنا ایک موحد انسان کے لئے بے حد ضروری ہے،

جس علم و عقیدہ کے سبب انسان باطل پرستوں سے نجات یاب رہے گا۔ بعض حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”ما السموات السبع في الكرسي الا كدراهم سبعة ألقيت في ترس“ ساتوں آسمانوں کرسی کے مقابلہ میں سات درہم کے برابر ہیں جو ایک ڈھال میں ڈالے گئے ہوں، یعنی نامعلوم وسعت والے آسمانوں کی حیثیت اللہ کی ایک مخلوق ”کرسی“ جس کا حقیقی معنی اللہ تعالیٰ کے دونوں قدموں کے رکھنے کی جگہ ہے کے مقابلہ میں درہم کے چھوٹے چھوٹے سکوں جیسی ہے۔ اور ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”ما الكرسي في العرش إلا كحلقة من حديد ألقيت بين ظهري فلاة من الأرض“ کرسی عرش کے مقابلہ میں ایک چھلا کی طرح ہے جو کشادہ صحراء میں ڈالا گیا ہو، یعنی اللہ کی عظیم ترین مخلوق عرش کے مقابلہ میں ”کرسی“ ایک چھوٹے چھلا کی طرح ہے، اندازہ لگائیے سورج چاند ہماری نگاہوں میں بڑی عظیم مخلوقات ہیں، لیکن ان..... ع

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

کرسی و عرش جیسی مخلوقات کی عظمت کا جنہیں اندازہ و یقین ہو جائے وہ سورج چاند کو چھوٹی مخلوقات ہی شمار کریں گے اور ان کی پرستش کو باطل سمجھیں گے۔

(۷) سورج چاند لپیٹ کر بے نور کر دئے جائیں گے: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إذا الشمس كورت۔ (التکویر / ۱) جب سورج لپیٹ لیا جائے گا، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: الشمس والقمر مكوران يوم القيامة۔ (بخاری / بدء الخلق) قیامت کے دن سورج چاند لپیٹ کر بے نور کر جائیں گے۔ سورج چاند کو گرہن لگا کر اور تھوڑے عرصہ کے لئے انہیں بے نور کر کے اللہ تعالیٰ بندوں کو ڈراتا ہے کہ اس دنیا میں اللہ سے بے خوف ہو کر جینا نادانی ہے، اس دن کے لئے تیاری کرتے رہو جب انہیں ہمیشہ کے لئے بے نور بلکہ ختم کر دیا جائے گا۔ (۸) ساجد و مسجود دونوں جہنم میں: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج چاند کو لپیٹ کر بے نور کرنے کے بعد انہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا تاکہ انہیں سجدہ اور ان کی پوجا کرنے والے اور زیادہ رسوا اور ذلیل ہوں۔

اس سورج گرہن کے موقع پر بعض اخبارات میں کچھ نوجوانوں کے یہ اقوال بھی دیکھنے کو ملے کہ: یہ سورج چاند کے پیار کی نشانی ہے، مگر میں عرض کروں گا کہ ہماری نئی نسلوں کو جابے جا پیار ہی کا منظر چاہئے، لیکن انہیں پیار نہیں ہے تو اپنے خالق سے اور ڈر نہیں ہے تو اپنے مالک سے جو ”بدلہ کے دن“ زندگی بھر کے کاموں کا حساب لے گا، اور وہ نہایت درجہ سخت دن ہوگا۔ الہی تو ہمیں اس روز کا میاب و کامراں کر دے اور ہماری دنیا کی زندگی اپنی راہ پر لگا کر رکھ۔

کتابوں کی دنیا

(قسط: ۱)

ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری

نام کتاب: موضوع اور منکر روایات

مصنف: ڈاکٹر سید سعید احسن عابدی

ناشر: مکتبہ بیت السلام، ریاض

سال اشاعت: ۱۴۲۹ھ = ۲۰۰۸ء

کتاب ”موضوع اور منکر روایات“ کی پہلی جلد جب شائع ہوئی، اور محترم ڈاکٹر عبدالعلیٰ ازہری حفظہ اللہ نے مجھ سے ہندوستان کے اپنے ایک سفر میں یہ پوچھ لیا کہ: آپ نے اس جلد کی تعارف میں کچھ لکھا نہیں، تو میں بروقت ان کو کوئی جواب نہ دے سکا، پھر ان کا ایماء ہوا کہ کتاب کی دوسری جلد آرہی ہے، اس پر ضرور لکھیے گا۔

ڈاکٹر صاحب کے چھوٹے سے سوال نے میرے سامنے تعلقات اور یادوں کی ایک دنیا کھڑی کر دی، ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۷ء تک کا قاهرہ میں قیام، جامعۃ الازہر اور جامعۃ القاہرہ کی تعلیم، مدینۃ البعوث الاسلامیۃ (عباسیہ) کی رہائش، قاهرہ ریڈیو کے شعبہ اردو کی ملازمت، ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ اور اس میں عربوں کی شکست اور ریڈیو کی ملازمت کے باعث شکست کے احوال کا ترجمہ اور اپنی زبان سے اس ترجمہ کو ریڈیو سے نشر کرنا، سرد گرم کا ساتھ، محدود وظیفہ پر گزار بسر اور کبھی کبھی محرومی کا احساس، متاہلانہ زندگی کا ایک حصہ گزار لینے کے بعد اہل و عیال سے دوری..... یہ سب احوال کسی ہلکی سی جنبش کے بعد سطح ذہن پر مرتسم ہو جایا کرتے تھے، اور میرا وجود ان میں کھو جاتا تھا۔

راقم سطور اور محترم مظہر احسن ازہری صاحب اپریل ۱۹۶۳ء میں قاهرہ گئے تھے، اور یہ بحری جہاز کا سفر تھا، پھر اکتوبر ۶۳ء میں محترم ڈاکٹر عبدالعلیٰ صاحب ہوائی جہاز سے وہاں پہنچے، اور ہماری زندگی کا ایک نیا رخ شروع ہوا، جو بنیادی طور پر تو مرحلہ تحصیل ہی تھا، لیکن مستقبل سے متعلق عزائم، اوہام اور تفکرات نے اسے قدرے پر پیچ بنا دیا تھا!

جامعہ ازہر دنیا کی قدیم و عظیم یونیورسٹیوں میں شمار کیا جاتا ہے، یہاں ماشاکی کوئی گنتی نہیں، پھر بھی ہندوستانی طلبہ باہم

متعارف تھے، اور بعض بعض کے مابین ہم آہنگی و دوستی کا رشتہ بھی استوار تھا، مذکورۃ الصدرا صاحب ثلاثہ کے تعلقات قاہرہ میں موجود سینیر اور جو نیر دونوں طرح کے طلبہ کے ساتھ استوار تھے، ریڈیو کے اردو یا ہندی پروگراموں میں ان کی ملازمت تھی، اور ڈاکٹر عبدالعلی کی ذہانت کا چرچا تھا، اس لئے ان کی عزت کی جاتی تھی۔ ان تینوں حضرات کے قریب ترین دوستوں میں ایک نام سید سعید احسن عابدی کا تھا، ان کے ساتھ قاہرہ چھوڑنے کے بعد بھی تعلقات قائم رہے، اور انہیں سب سے زیادہ استواری ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کے ذریعہ ملی، موصوف نائیجیریا اور بعد میں لندن سے اپنی آمد و رفت میں اکثر جدہ ٹھہرتے ہیں، اور عابدی صاحب کے ساتھ ان کی ملاقات رہتی ہے۔ قدیم و جدید احباب میں جن کے ساتھ اب تک تعلقات استوار ہیں ان میں ایک نام بھائی شعیب نگرانی کا بھی ہے، موصوف کا لکھنؤ سے تعلق ہے، ان کے الطاف و عنایات اسی اعتبار سے ہیں، یہ سطور جس کتاب کے لئے لکھی جا رہی ہیں وہ موصوف کے پیش لفظ سے بھی مزین ہے، بھائی شعیب صاحب کی کرم گستری کا میں بجز ممنون ہوں، اور ان کے لئے بصد خلوص دعا کرتا ہوں: احسن الله له الجزاء۔

قاہرہ سے لوگ اپنی اپنی ترجیح اور مقدر سے جدا ہوئے، عابدی صاحب نے قاہرہ چھوڑنے سے پہلے ہی پی ایچ ڈی مکمل کر لی تھی، ڈاکٹر عبدالعلی صاحب نے نائیجیریا میں ملازمت کے دوران یہ مرحلہ مکمل کیا، اور خاکسار نے جامعہ سلفیہ میں ملازمت کے دوران اسے پورا کیا۔

عابدی صاحب قاہرہ سے جدہ آ گئے، اور ریڈیو ہی کی ملازمت سے وابستہ ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے فرض شناسی و سلیقہ مندی کا جو وصف انہیں عطا کیا تھا اس کے سبب، توفیق الہی کے بعد، ہمیشہ مقبول رہے، اور ذمہ داروں کے ساتھ ساتھ رفقاء عمل کی ہمدردیاں بھی ساتھ رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد کی جو نعمت موصوف کو عطا کی اسے والدین کی آنکھوں کے لئے ٹھنڈک بنایا، اور ہر لڑکے نے باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور بعض تو علم و سائنس کے میدان میں بہت نمایاں ہوئے، اللہ تعالیٰ اس گھرانہ کو دین و دنیا کی عزت و کامیابی سے سرفراز رکھے، آمین۔

ریڈیو کی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے عابدی صاحب نے حدیث کے موضوع پر اردو زبان میں اہم کام کیا، اسی کام کے ایک حصہ کی تقریظ میں یہ سطور تحریر ہیں۔ ہر صاحب ذوق اس کام سے خوش ہوگا، لیکن خاکسار کو اس کی دو گونہ خوشی ہے، کیونکہ عابدی صاحب نے پی ایچ ڈی کا جو کام کیا تھا اس کے اندر انہیں علم حدیث کے براہ راست مطالعہ کا موقع نہ ملا تھا، لیکن جدہ میں حدیث پر کام کے دوران انہوں نے اس ذخیرہ کو گہرائی سے پڑھا، اور اس کے محاسن سے آگاہی حاصل کی، خصوصیت کے ساتھ موضوع و منکر روایات کو کھنگالا، رواۃ کے مراتب پر نظر کی، باطل روایات کی اشاعت کے محرکات کا جائزہ لیا، اور جن عناصر نے باطل و مردود روایتوں کو امت میں پھیلانے کا کام کیا ان کے مقاصد کو سمجھا، اس میدان میں کام کی ضرورت تھی،

ایک مخلص عالم دین اور سرگرم سپاہی کی طرح وہ اس میدان میں اترے، اور اپنی خداداد صلاحیتوں سے ہر ایک سے خراج تحسین حاصل کیا، ان کی کتاب کی پہلی جلد ہاتھوں ہاتھ لی گئی، اس کی مسروقہ اشاعتیں بازار میں آئیں، اور اب دوسری جلد قارئین و ناشرین کے سامنے ہے، دیکھنا ہے کہ اس کے ساتھ کیا برتاؤ ہوتا ہے۔

کتاب کے ناشر اور مکتبہ بیت السلام کے مالک حافظ عابد الہی صاحب اور ان کے با علم و عمل برادران سے میری ملاقات اور تعارف ہے، خوشی کی بات ہے کہ خدمت حدیث کا یہ کام ان کے حصہ میں آیا، برصغیر میں جماعت اہل حدیث کے افراد نے خدمتِ علم حدیث کے میدان میں جو کوشش کی ہے اس میں مکتبہ بیت السلام کی شمولیت باعث مسرت ہے، البتہ تمننا تھی کہ مطبعی اغلاط سے (جو دوسری جلد میں شاید زیادہ ہیں) کتاب محفوظ رہتی تو علم حدیث کی دقت و عظمت کے زیادہ مناسب ہوتا۔

موضوع، منکر اور ضعیف روایتوں پر محدثین رحمہم اللہ نے جو عظیم کام کیا ہے اس کی عظمت و افادیت مسلم ہے، اردو زبان اس پہلو سے تہی مایہ تھی، لیکن الحمد للہ جدید دور میں عربی زبان میں علمی و تحقیقی کاموں کے علاوہ اردو زبان میں بھی اچھا ذخیرہ تیار ہو گیا ہے، خود جامعہ سلفیہ کے بعض فضلاء نے اس پہلو پر و قح کام کیا ہے جسے علمی دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔ بعض کام علمی و اصلاحی دونوں پہلوؤں کی نمائندگی کرتے ہیں، اور بعض صرف دعوتی و اصلاحی پہلو پر مشتمل ہیں، عابدی صاحب کے کام میں دونوں پہلوؤں کی جلوہ گری ہے، کل (۲۹۲) احادیث پر گفتگو کی ہے جو غیر معتبر ہیں، اس گفتگو میں معروف مصنفین اور مستند آخذ سے استفادہ کیا ہے، نیز حسب موقع صحیح احادیث کے حوالے دیے ہیں، تفسیری مباحث بھی تشفی بخش ہیں، اس طرح عابدی صاحب کی کوشش علمی دنیا کے لیے ایک عمدہ تحفہ ہے، اس سے علم حدیث اور بالخصوص موضوعات و منا کیر سے دل چسپی رکھنے والے تمام اہل علم مستفید ہوں گے، اور مصنف کے لئے دعائے خیر کریں گے، نیز ان کے طرز بحث و استدلال سے استفادہ کریں گے، اور جن کو توفیق ہوگی وہ باطل روایات سے کنارہ کش ہو کر صحیح احادیث کے پابند ہو جائیں گے۔

ڈاکٹر نگرامی صاحب کے پیش لفظ کی جانب اشارہ گزر چکا ہے، اس پیش لفظ میں موصوف نے شاہ ولی اللہ دہلوی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

”اس جلیل القدر عالم (ولی اللہ) کی کوششوں سے اتنا ہوا کہ انھوں نے اس سیلاب میں، جس میں مغلوں کا تخت و تاج بہہ گیا، قوم کو قرآن و حدیث فہمی کی نعمتِ عظمیٰ عطا کی، اور یہ واضح کیا کہ اسلامی درس گاہوں سے فقہ و منطق کا آنے والا سیلاب مذہبی کش مکش میں قطعی مفید نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے کتاب و سنت کی قوت کی ضرورت ہے جو فقہ و منطق سے نہیں، بلکہ قرآن

و حدیث سے حاصل ہوتی ہے۔ ولی اللہ کی تحریک نے اسلامی عقائد کے دفاع کے لئے ایسا نظام قائم کر دیا جو انیسویں صدی کی مذہبی کش مکش میں ہماری سب سے بڑی ڈھال رہا۔“

فتنہ انکارِ حدیث کے خلاف علمائے اسلام نے جو اہم علمی اور دفاعی لٹریچر تیار کیا ہے اس کے پس منظر میں ڈاکٹر شعیب نگرامی نے ڈاکٹر عابدی صاحب کی کتاب کا مقام متعین کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”لیکن موضوع و منکر روایات کی محققانہ دلائل کے ذریعہ تردید پر اردو میں شاید ہی کوئی کتاب ہو، اس کا رخیہ کی سعادت میرے محترم دوست ڈاکٹر سید سعید احسن عابدی کو حاصل ہوئی..... موصوف نے شاہ ولی اللہ دہلوی کے جلائے ہوئے چراغوں سے اپنا چراغ جلا کر پانچویں صدی ہجری میں موضوع و منکر روایات کی نشاندہی کرنے کے طریقے کو اپنا کر احادیثِ مطہرہ کے دفاع میں بے شمار راتیں آنکھوں میں کاٹ کر یہ نفیس اور اپنی نوعیت کی منفرد کتاب اردو لاہوری کو بطور تحفہ دی۔“

اس تحریر کے بعد نگرامی صاحب نے عابدی صاحب کی کتاب کی انفرادیت کے کل سات نقاط ذکر کئے ہیں، پھر کتاب کے اسلوب پر اپنی رائے ذکر کر کے اپنا پیش لفظ ختم کیا ہے۔



پیش لفظ کے بعد مصنف کے مقدمہ کی طرف آئیے:

یہ مقدمہ مصنف کے منہج اور اس کی ترجیحات کو واضح کرنے میں اہمیت رکھتا ہے، ڈاکٹر عابدی صاحب کی کتاب کی یہ دوسری جلد ہے، موصوف نے اس کے مقدمہ میں متعدد اہم باتوں پر اظہارِ خیال کیا ہے، اور پہلی جلد کے قارئین کے ردِ عمل کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔

یہ مقدمہ ص: 25 سے شروع ہو کر ص: 70 پر ختم ہوا ہے، پورے مقدمہ کا خلاصہ مشکل ہے، لیکن اس کے اہم مشتملات پیش کرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ 516 صفحات پر پھیلی ہوئی ”موضوع اور منکر روایات“ نامی ڈاکٹر عابدی صاحب کی کتاب کا اجمالی خاکہ قارئین کے ذہن میں آجائے گا، اور اس طرح ان کے ذہن میں اس وسیع علمی کاوش کا مقام و مرتبہ متعین کرنے میں انہیں آسانی ہوگی۔

عابدی صاحب نے مقدمہ کا آغاز قارئین کرام کے دو تاثرات کی توضیح سے کیا ہے جو پہلی جلد کی اشاعت کے بعد سامنے آئے، علمِ حدیث سے یہ توضیح براہِ راست متعلق ہے، اس لئے اس تاثراتی تحریر میں اس پر کچھ لکھنا ضروری ہے۔ پہلا تاثر ضعیف و موضوع روایات کی کثرت کے پیش نظر پورے ذخیرہ حدیث کے غیر معتبر ہو جانے سے متعلق ہے۔

عابدی صاحب نے بڑی خوبی کے ساتھ اور مدلل طور پر مذکورہ تاثر کی غلطی واضح کی ہے، اور امت مسلمہ کے متفقہ موقف کی نشاندہی کی ہے، لکھتے ہیں:

”معلوم ہوا کہ جس طرح قرآن پاک شرعی حجت ہے، اسی طرح حدیث بھی شرعی حجت ہے، اور حدیث کا انکار کرنے والا خود قرآن کا منکر ہے، کیونکہ نبی ﷺ کی یہ حیثیت خود قرآن نے متعین کی ہے۔“ (ص: 27)

تشریحی حیثیت سے حدیث کی اہمیت اور اس کے مصدر احکام ہونے کا انکار کرنے میں جس فرقہ کو پیش روی حاصل ہے، وہ معتزلہ کا فرقہ ہے، اس نے اپنے علمی وسائل اور سیاسی و سماجی نفوذ سے کام لے کر حدیث کے خلاف ایک محاذ قائم کیا، اور عقل پسندی کی اپنی روش کو تقویت دینے کے لئے وضع و افتراء سے کام لیا، ڈاکٹر عابدی لکھتے ہیں:

”دوسری طرف انہی معتزلہ نے فہم دین میں عقل کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے عقل کے فضائل میں حدیثیں گھڑ کر لوگوں میں پھیلانے کی کوشش کی، کیونکہ وہ اپنے نہاں خانہ دل میں یہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ اپنے باطل افکار و تصورات کو اس وقت تک پھیلانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ اسی ذریعہ علم کا سہارا نہ لیں جس کی حجت کو وہ اپنے مقاصد کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تصور کر رہے تھے: (و جحدوا بها واستیقنتها أنفسهم ظلما و علوا۔ النمل: ۱۴) ”سراسر ظلم اور غرور کے نتیجے میں انھوں نے اس کا انکار کیا حالانکہ ان کے دل اس کا یقین رکھتے تھے۔“

”لیکن معتزلہ اپنے ان دونوں مقاصد میں سے کسی میں بھی مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے، نہ ان کا انکار حدیث برگ و بار لایا، اور نہ عقل کے فضائل میں ان کی گھڑی ہوئی روایات قبولیت حاصل کر سکیں، محدثین نے ایک ایک کر کے ان کی وضع کردہ حدیثوں کے تار و پود بکھیر دیے، اور علمی دلائل سے یہ بھی ثابت کر دیا کہ عقل اپنی تمام تر اہمیت کے باوجود عقائد اور ایمانیات کی توجیہ کرنے سے قاصر ہے، اور غیبات تک اس کی رسائی نہیں ہے، نیز یہ کہ عقل کے فضائل میں ایک بھی صحیح حدیث نہیں ہے۔“ (ص: 27-28)

ذخیرہ حدیث میں کھرے کھوٹے کو باہم ممتاز کرنے کے سلسلہ میں محدثین عظام نے جو عظیم کاوش کی ہے اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر عابدی لکھتے ہیں:

”ائمہ حدیث کی وسعت معلومات کا یہ حال تھا کہ ان کو حدیث کے ہر راوی کے بارے میں یہ معلوم تھا کہ اس سے کتنی حدیثیں مروی ہیں، یا فلاں راوی سے فلاں راوی نے کتنی حدیثیں روایت کی ہیں، یا کس روایت میں کون سا راوی منفرد ہے، اور وہ کون سے راوی ہیں جن کی روایت حدیث میں انفرادیت یا تفریق قابل اعتبار تھا اور کن کا نہیں؟“ (ص: 29)

برصغیر کے بعض شہرت یافتہ مصنفین کی طرف سے محدثین پر راویوں کی توثیق و تضعیف میں مسلک کو بنیاد بنانے کی

بات کو عابدی صاحب نے غلط قرار دیا ہے، اور لکھا ہے کہ: ”یہ دعویٰ جہاں محدثین جیسے مقدس گروہ کے بارے میں ان کے برے گمان کی پیداوار ہے، وہیں ان کے علمی افلاس اور علم حدیث سے ان کے نابلدہ ہونے پر دلالت کرتا ہے“۔ (ص: 31) دوسرا تاثر صوفیاء سے متعلق ہے، اور وہ یوں کہ موضوع اور باطل روایات کو رواج دینے کا سب سے زیادہ ذمہ دار صوفیاء کو قرار دے کر اس طبقہ پر ظلم کیا گیا ہے۔

عابدی صاحب نے تقریباً مقدمہ کا بقیہ حصہ اسی تاثر کے ازالہ اور تصوف کی حقیقت و اثرات کے بیان کے لئے وقف کیا ہے، لکھتے ہیں:

”در اصل تصوف کتاب و سنت سے ماخوذ مسلکِ حیات نہیں، بلکہ اسلام کے بالکل متوازی طریقہ حیات ہے، اگرچہ اس میں اسلامی باتیں بھی ہیں۔“

تصوف کے محث میں طوالت کیوں آئی، اس کی توجیہ ڈاکٹر صاحب یہ بتاتے ہیں:

”لیکن یہ دکھانے کے لئے کہ تصوف کی کتابوں میں کثرت سے ضعیف، منکر اور موضوع روایتوں سے کیوں استدلال کیا گیا ہے، اسلامی عقائد اور اعمال کے بارے میں صوفیاء کے نقطہ کی وضاحت ضروری ہے۔“

اس توجیہ کے بعد عقائد تو حید کو باختصار بیان کیا ہے، اور لکھا ہے کہ: ”تصوف کی کتابوں میں عام طور پر عقائد کی بحث نہیں ملتی، بہت کم ایسی کتابیں ہوں گی جن میں عقائد کا تذکرہ کیا گیا ہوگا۔“

عابدی صاحب نے تو حید سے بحث کرنے والے صوفیاء میں ابواسماعیل انصاری ہروی کو سر فہرست مانا ہے، اور لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب ”منازل السائرین“ میں تو حید کی قسمیں بیان کی ہیں:

(۱) عوام کی تو حید (۲) خواص کی تو حید (۳) خاص الخواص کی تو حید

اب ان اقسام پر ڈاکٹر عابدی کا مختصر تبصرہ ملاحظہ فرمائیے:

شیخ ہروی نے جس تو حید کو عوام کی تو حید قرار دیا ہے وہ تو حید الوہیت ہے جس کی دعوت اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمام انبیاء اور رسولوں نے اپنی قوموں کو دی، اور جس کی دعوت اللہ کے آخری اور محبوب رسول محمد ﷺ نے اپنی قوم کو دی، یعنی لا الہ الا اللہ۔

اس تو حید الوہیت کو عوام کی تو حید قرار دینے سے یہ لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ سید المرسلین ﷺ اور آپ سے پہلے مبعوث ہونے والے انبیاء اور رسول نیز انبیاء کے بعد دنیا کی مقدس ترین جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عوام کے درجہ کے موحد رہے تھے، خواص اور خاص الخواص تو وہ صوفیاء ہیں جنہوں نے کتاب و سنت سے آزاد ہو کر اپنے ذہن و دماغ سے نیا دین

اور اس کے عقائد اور احکام گھڑ لئے ہیں!

خواص کی توحید پر عابدی صاحب کا تاثر یہ ہے:

ہر وی نے خواص کی جس توحید کی تعریف پیش کی ہے اس کا ہر لفظ نہایت مبہم اور اپنے مدلول میں حد درجہ غیر واضح ہے، کیونکہ یہ ایک خیالی توحید ہے جس کا عالم خارجی میں کوئی وجود نہیں ہے، نہ اس کو کتاب و سنت کی تائید حاصل ہے۔ شیخ ہروی کی یہ بات صحیح ہے کہ توحید کے اثبات میں عقلی حجت بازیوں سے دور رہا جائے، لیکن یہ بات انسان کی پیش کردہ دلیل کی حد تک تو صحیح ہو سکتی ہے، مگر خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنی توحید کے جو دلائل دیے ہیں ان پر غور و تدبر سے دل کے یقین و اذعان کو تقویت حاصل ہوتی ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ”آفاق و انفس“ میں غور و تدبر کرنے کا حکم دیا ہے۔

شیخ ہروی نے توحید کی تیسری قسم کی جو تعریف ذکر کی ہے اس کا ترجمہ پیش کرنے کے بعد عابدی صاحب کہتے ہیں کہ: یہ پوری عبارت حد درجہ گمراہ کن اور صوفیاء کی غیر اسلامی ذہنیت کی ترجمان ہے، کیونکہ جو چیز مطلوب ہو اس کا ممکن الحصول ہونا ضروری اور لازمی ہے۔

تصوف پر گفتگو کے ضمن میں حلول اور وحدۃ الوجود کا ذکر بھی آیا ہے، اور امام ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے اسم مفرد کے ذکر پر نکیر کا بھی بیان ہے۔ اس مقام پر عابدی صاحب نے بعض معروف علمائے دین کے حوالوں سے اپنی بات کو مدلل کیا ہے، اور بعض کے ایسے افکار پر تنقید کی ہے جس کے لئے کتاب و سنت سے کوئی سند نہیں ہے، لیکن معتقدین کی جماعت پر نظر ڈالیں تو واضح ہوتا ہے کہ لوگ کتاب و سنت کے حوالہ کے بغیر اس طرح کے علماء کی بات ماننے پر مصر رہتے ہیں۔

اورادو اذکار میں انسانی طبیعت غلو سے باز نہیں آتی، اسے یہ خوش فہمی ہوتی ہے کہ نیک عمل کے لئے شریعت میں گنجائش ہے، لیکن بدعت و سنت کی بحث پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ غیر مشروع عمل کے استحسان کی یہی راہ بدعات کی ہلاکت خیزیوں تک پہنچا دیتی ہے، عابدی صاحب کی فکر اس سلسلہ میں واضح ہے، تصوف کے مبحث میں ذکر پر لکھتے ہیں:

”اوپر یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ ذکر عبادت ہے، اور اسلام میں عبادت کے قبیل کی جتنی چیزیں ہیں وہ جزئیات کی حد تک مکمل ہیں، اور کسی بھی قادری، چشتی اور نقشبندی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ تعلق مع اللہ کو مضبوط بنانے کے لئے کسی طرح کا ذکر تجویز کرے، اور جو ایسا کرے گا تو اس کا بتایا ہوا طریقہ ذکر باطل، گمراہی اور مردود ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد آنے والوں کو کتاب و سنت پر مضبوطی سے جبرہنے کی تعلیم دی ہے، نئی راہیں نکالنے کی نہیں۔“

ڈاکٹر عابدی نے ہندی مسلمانوں کو اور ان کے ماحول کو قریب سے دیکھا ہے، مصر میں قیام کے دوران مسلمانوں کی

ضعیف الاعتقادی کے مناظر ان کے سامنے آئے، خالص موحد گھرانے میں ولادت و تربیت کے سبب ان کا ادراک تیز تھا، اس لئے ہند کے حالات پر ان کا قلق مستبعد نہیں، لکھتے ہیں:

”برصغیر کے ملکوں میں قبروں کو مزارات میں بدلنے، بزرگوں کے مزارات کے پاس میلہ اور عرس لگانے، قبروں کے پاس مراقبہ کرنے اور اہل قبور سے استعانت و استمداد کرنے، ان سے مصائب و مشکلات کے ازالے کی درخواست کرنے، بیماریوں سے شفا اور اولاد طلب کرنے کا کام اہل تصوف اور ان کے معتقدین نے شروع کر دیا، اور انھوں نے ہی مسلمانوں میں یہ عقیدہ پھیلا کر کہ ”اولیاء اللہ بعد از وفات بھی اپنے فیوض و برکات کی بارش جاری رکھتے ہیں“ مسلمانوں میں قبر پرستی کی وبا پھیلا دی۔“

عابدی صاحب نے ”مقدمہ تصوف اور شریعت“ سے تصوف کا دفاع کرنے والوں کی یہ عبارت نقل کی ہے: ”اولین صوفیاء نے تصوف کی عمارت قرآن و سنت اور صحابہ کرام کے عمل ہی پر اٹھائی، طریقت ہو یا معرفت، زندگی کا نقطہ نظر ہو یا دین کا تصور، ہر جگہ انھوں نے قرآن و سنت ہی کو سامنے رکھا۔“ پھر اپنا یہ تاثر پیش کیا ہے کہ اس عبارت سے امر واقعہ کی ترجمانی نہیں ہوتی، کیونکہ تصوف کے خمیر میں عقیدہ توحید خالص کی گنجائش نہیں ہے، جب کہ اسلامی روح توحید خالص ہے۔ مزید یہ کہ طریقت اور معرفت نہ اسلامی اصطلاحیں ہیں، اور نہ قرآن و حدیث کی نصوص سے مستنبط، اسی طرح زندگی کا جو نقطہ نظر کتاب و سنت نے دیا ہے وہ اس نقطہ نظر سے مکمل طور پر مختلف ہے جو تصوف نے دیا ہے، البتہ یہ صحیح ہے کہ تصوف میں بہت سی باتیں قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں جن میں سے کچھ تو اپنی اصلی شکل میں ہیں، اور زیادہ تر تصوف کے خرد پر چڑھا کر کچھ سے کچھ بنادی گئی ہیں۔“

ڈاکٹر عابدی نے ایک سرسری جائزہ ان اثرات کا بھی پیش کیا ہے جو صوفیاء نے غیر صوفیاء پر لاشعوری طور پر ڈالے ہیں، ان میں متعدد الفاظ اور تعبیرات ہیں جنہیں مقدمہ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

عابدی صاحب نے اپنے مقدمہ میں حصہ تشکر سے پہلے اپنا منہج واضح کر دیا ہے، لکھتے ہیں کہ کتاب کی اس جلد میں چار ابواب ہیں: اول غیبات، دوم قصص الانبیاء، سوم حج اور زیارت مدینہ، چہارم معاشرت۔

موصوف نے موضوع اور مکرر روایتوں کے ذیل میں جن مسائل سے بحث کی ہے ان کے بارے میں پہلے اسلامی نقطہ نظر تفصیل سے بتا دیا ہے۔ کتاب و سنت سے باہر دلائل نہیں دیے ہیں، ائمہ اور علماء کے اقوال سے استدلال بہت کم کیا ہے، مسائل کی تشریح میں مسلک کی چھاپ سے بچے ہیں، شخصیات کی تشہیر یا تخریح سے بھی گریز کیا ہے، اور ہر عالم کا ذکر ادب و احترام سے کیا ہے۔ روایات کے صحت و سقم کے لئے یا راوی کو ثقہ یا مجروح ثابت کرنے کے لئے علم الرجال کی مستند کتابوں اور

معتبر ائمہ فہن پر اعتماد کیا ہے، اور اس طرح امکانی حد تک کتاب ایک معتبر ماخذ کی حیثیت سے قارئین کے سامنے آئی ہے۔

عابدی صاحب نے منہج کا ذکر دوسری جلد کے اختتام پر بھی کیا ہے، لکھتے ہیں:

”کتاب کی اس جلد میں عقائد، اعمال، قصص الانبیاء، مناقب، زیارت قبور اور معاشرے کے جس مسئلے سے بھی تعرض کیا گیا ہے اس سے متعلق جھوٹی اور باطل روایات پیش کرنے اور ان کا پوسٹ مارٹم کرنے سے پہلے اس مسئلے کو قرآن پاک اور صحیح احادیث کی روشنی میں اچھی طرح واضح کر دیا گیا ہے تاکہ ان اثرات بد کو سمجھنے میں آسانی ہو جو جھوٹی روایات نے امت مسلمہ میں چھوڑے ہیں۔“



پہلا باب ”غیبات“ سے متعلق ہے، اور اس میں کل ۳۴/عناوین پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور یہ بحث ۷۱/ سے شروع ہو کر ۱۹۶/ پر ختم ہوا ہے، بعض عناوین سے باب کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے:

آغاز آفرینش، اہل کتاب کے صحیفوں سے استدلال، نور محمدی، بشریت رسول ﷺ، رسول ﷺ کی وفات، ولی کون ہے، تکمیل دین کا اعلان، کشف والہام، روح کی حقیقت، فرشتوں کی حقیقت، ہاروت و ماروت کا قصہ، جادو کیا ہے، عرش و کرسی۔

عابدی صاحب نے ان عناوین کے ذیل میں جو بحث کی ہے اس میں کتاب و سنت کے حوالہ سے مفید باتیں سامنے آگئی ہیں جن کی بنیاد پر انسان کو صحیح رائے قائم کرنے میں آسانی ہوگی، بعض نقاط پیش ہیں:

● کتب تفسیر میں روایات کا بڑا ذخیرہ موجود ہے، اس ذخیرہ کے سلسلہ میں اطمینان کے بغیر کوئی فیصلہ درست نہیں، مختلف پہلوؤں سے بحث کرنے کے بعد عابدی صاحب لکھتے ہیں:

”خلاصہ کلام یہ کہ تفسیر کی کتابوں میں منقول کسی بھی روایت کو اس وقت تک قبول نہیں کرنا چاہیے، اور نہ اس سے استدلال کرنا چاہیے جب تک کہ نبی اکرم ﷺ سے یا صحابہ کرام سے صحیح سند کے ذریعہ اس کی نسبت ثابت نہ ہو، سوائے ان حدیثوں کے جو صحیحین میں مروی ہیں، اور ان کو کسی ماہر فہن حدیث نے صحیح قرار دیا ہو، تفسیر کی مشہور کتابوں میں کسی روایت کا منقول ہونا یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ روایت صحیح ہے۔“

”نور محمدی“ کی روایت بعض حلقوں میں مشہور ہے، اور بے اصل باتوں کی غیر معمولی شہرت کے لئے یہ ایک مثال ہے۔ عابدی صاحب نے کتاب کی پہلی جلد میں بھی اس پر بحث کی ہے، اور اس جلد میں بھی ضروری روشنی ڈالی ہے، روایت کا

متن پیش کر کے اس کے مآخذ کا بیان کیا ہے، اور ہر مآخذ کے بعد اس کے مصنف کے موقف کی وضاحت کی ہے، تعجب ہوتا ہے کہ اتنی شد و مد کے ساتھ نور محمدی والی روایت پیش کرنے والے علماء میں سے کسی نے روایت ک صحت و سقم سے بحث نہیں کی ہے۔ علامہ سیوطی سے اس روایت کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے صاف کہا کہ: اس حدیث کی کوئی ایسی سند نہیں ہے جس پر اعتماد کیا جاسکے۔ عابدی صاحب لکھتے ہیں: دراصل اس روایت کا اسلوب بیان صحیح احادیث کے اسلوب بیان سے بہت مختلف اور صوفیانہ اسلوب بیان سے بہت سے مشابہ ہے، مثلاً: نور البصار المؤمنین، المعرفة باللہ اور انس القلوب جیسی تعبیرات صرف تصوف کی کتابوں میں ملتی ہیں۔

نور محمدی سے متعلق عابدی صاحب نے لکھا ہے کہ یہ صوفیاء کی ذہنی اختراع ہے، کتاب و سنت میں اس کا کوئی وجود نہیں ملتا، اور یہ صوفیاء کے نظریہ حلول کا ترجمان ہے۔

دنیا بھر کے صوفی حلقوں میں قصیدہ بردہ کو مقبولیت حاصل ہے، مدح رسول اکرم ﷺ اور آپ کی محبت و عقیدت بڑا حساس موضوع ہے، حدیث شریف میں اطراء سے اسی لئے منع کیا گیا ہے کہ عقیدت کا غلو انسان کو ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے، بوصری متوفی ۲۹۵ھ نے اپنے قصیدہ میں محبت و عقیدت کا اظہار ضرور کیا ہے، لیکن متعدد مسائل میں ان کا قلم جادہ اعتدال سے بہک گیا ہے، مجھے یاد آ رہا ہے کہ مدارس اسلامیہ کے نصابِ تعلیم پر تبادلہ خیال کی ایک مجلس میں قصیدہ بردہ کے داخل نصاب کرنے کی بات پر راقم سطور نے جب یہ کہا کہ اس کے مضامین میں اعتدال نہیں ہے، تو ایک مشہور عالم دین نے میری بات پر استدراک کی کوشش کرتے ہوئے سوال کیا کہ: کیوں اس قصیدہ میں کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ: اس بحث کا موقع دوسرا ہے، البتہ اسے نصاب میں داخل نہ کریں تو بہتر ہوگا۔ اتنی گفتگو کے بعد موضوع بدل گیا، پھر مجلس برخواست ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ عابدی صاحب کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے قصیدہ کے ان اشعار پر جو محل نظر ہیں، مفصل اور باحوالہ بحث کی ہے۔ قصیدہ کے شارح ابن حجر ہیتمی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: دنیا اور آخرت میں جو کچھ ہے، اور آئندہ ہوگا، وہ سب رسول اللہ ﷺ کے جود و سخا کا نتیجہ ہے، اور لوح و قلم میں جو علم محفوظ ہے وہ رسول اکرم ﷺ کے علوم و معارف کا صرف ایک حصہ ہے! عابدی صاحب کا تاثر ملاحظہ فرمائیے:

مبالغہ کی بھی ایک حد ہوتی ہے، اور اگر مبالغہ کی کوئی بنیاد ہو بھی تو اس صورت میں بھی وہ اللہ اور رسول کے نزدیک ایک ناپسندیدہ چیز ہے، جب کہ یہاں اس دعوے کی سرے سے کوئی بنیاد ہی نہیں ہے۔

اسی بحث میں عابدی صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں:

”شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ نے ابن عربی کے نظریہ وحدت الوجود پر سخت تنقید کی ہے،..... اس کے باوجود وہ ابن عربی کو مقبول بندوں اور مقبول اولیاء میں شمار کرتے ہیں، اور ان کے ملحدانہ افکار و نظریات کو ان کے کشف کا نتیجہ قرار دیتے ہیں! ولایت کے موضوع کو نام نہاد عالموں نے عوام کو گمراہ کرنے کے لئے خوب خوب استعمال کیا ہے، عابدی صاحب لکھتے ہیں کہ: تصوف کی کتابوں میں ولایت یا اولیاء اللہ کے بارے میں جو تصورات ملتے ہیں ان کا کتاب و سنت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

فرشتوں سے متعلق بحث میں صحیح مسلم کی حضرت عائشہ سے مروی حدیث کا متن اور اردو ترجمہ پیش کرنے کے بعد عابدی صاحب یہ رہنمائی کرتے ہیں:

”لہذا فرشتوں کی تخلیق، ان کی قدرت و توانائی اور ان کے اوصاف و اعمال کا تعلق غیبات سے ہے جن کی حقیقت تک ہمارے علم کی رسائی نہیں ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات میں ان کی جو تفصیلات بیان ہوئی ہیں صرف انہی پر اکتفا کرنا لازمی ہے، مزید تفصیلات جاننے کا نہ ہمارے پاس کوئی ذریعہ ہے، اور نہ اس کا کوئی اعتبار ہے۔“

فرشتوں پر گفتگو کے بعد صور پھونکنے والے فرشتہ سے متعلق روایات پر اور ہاروت ماروت کے قصہ پر بحث ہے، پھر جادو کا بحث آیا ہے، اس موضوع پر کئی پہلوؤں سے روشنی ڈالنے کے بعد عابدی صاحب نے صحیحین وغیرہ کتب حدیث کے حوالہ سے رسول ﷺ پر سحر کئے جانے کی حدیث ذکر کی ہے، اور قطعیت کے ساتھ لکھا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ پر جادو کا اثر منصب نبوت کے منافی نہیں۔

رسول اللہ ﷺ پر کیے جانے والے جادو کا جواثر ہوا تھا وہ آپ کے بحیثیت انسان اور بشر کے ہوا تھا، بحیثیت نبی اور رسول کے نہیں..... رہی آپ ﷺ کے نبی ہونے کی حیثیت اور آپ کے کارِ رسالت کا معاملہ تو ان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا تھا۔

(جاری)

ماہ رمضان کی فضیلت اور اس ماہ میں تلاوت قرآن کا ثواب

شیخ محمد بن عبداللہ السبیل

امام و خطیب مسجد حرام، مکہ مکرمہ

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو مسلسل فضل و احسان کرنے والا ہے، اس نے ہمیں رمضان کا مہینہ دے کر احسان عظیم فرمایا ہے اور اس کے روزہ کو اسلام کا ایک رکن قرار دیا ہے، ساتھ ہی اس مہینہ میں اپنے بندوں کے لئے بہت ہی زیادہ انعام و اکرام کا وعدہ کیا ہے، اس رب پاک کی مسلسل اور بے پایاں نعمتوں پر میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں، اور شہادت دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اے اللہ! تو اپنے بندہ و رسول محمد ﷺ پر اور آپ کے آل و اصحاب پر درود و سلام نازل فرما۔ اما بعد!

اللہ کے بندو! اپنے تمام حالات و اوقات میں اللہ سے ڈرو اور جملہ حرکات و سکنات میں اس کے مراقب و مگراں ہونے کا احساس رکھو اور یہ جان لو کہ اس نے بعض اوقات اور بعض ایام کو دیگر اوقات و ایام پر شرف و فضیلت بخشی ہے اور ان کو اپنے مومن بندوں کے لئے نہایت گراں قدر سرمایہ قرار دیا ہے۔ انہی ایام میں سے رمضان المبارک کا مہینہ بھی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بے شمار فضیلتوں سے نوازا ہے، چنانچہ اسی میں قرآن کریم اتارا، مخلوق پر اس کے روزے فرض قرار دیئے اور اسے عفو درگزر اور بخشش و مغفرت کا بہت بڑا موقعہ بنایا، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ”من صام رمضان إيماناً واحتساباً غفر له له ما تقدم من ذنبه“ (۱)

جس نے ایمان کے ساتھ اور طلب ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اس کے سارے گزشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

روزہ ایک محکم فریضہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے گزشتہ امتوں کی طرح اس امت پر بھی مقرر کیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ بندے اپنی خیر و مصلحت حاصل کریں، فضائل و محاسن سے اپنے آپ کو سنواریں اور اپنے نفس کو ہر طرح کی رذالتوں اور بری خصلتوں سے پاک کر کے اس کی تہذیب و تربیت کریں۔

(۱) سنن نسائی، کتاب الصیام، باب ثواب من قام رمضان وصامہ ایماناً واحتساباً (۲۰۸۲ تا ۲۰۸۵)

روزہ کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے ایک مسلمان صبر و ضبط، محنت و مشقت اور ایثار و تعاون کا خوگر ہو جاتا ہے، حیوانی اوصاف سے بالاتر ہو کر اس کے اندر ملکوتی صفات پیدا ہو جاتے ہیں اور رب العالمین کی اطاعت، اس کے احکام و فرامین کی بجا آوری اس کے بہترین انعام و اکرام کی امید میں وہ دنیاوی لذات و خواہشات سے دور رہتا ہے۔

روزہ کے ذریعہ درحقیقت بندہ مسلم کا ایمان راسخ ہوتا ہے، نفس تقویٰ کے ذریعہ پاک ہو جاتا ہے اور صبر و ضبط کی قدرت بڑھ جاتی ہے۔ اس کا ایمان اسے فرمان الہی کی تعمیل اور اس کے وعدہ رحمت کی تصدیق میں روزہ رکھنے پر آمادہ کرتا ہے، تقویٰ اسے سب و شتم، طعن و تشنیع اور تمام منہیات و محرمات کے ارتکاب سے باز رکھتا ہے، اور صبر اسے حرام لذتوں اور ناجائز خواہشات سے روکتا اور طاعت الہی میں مشقتیں برداشت کرنے پر ابھارتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اندر اپنے ان بندوں کو جو اس کے احکام کی تابعداری اور اس کی طاعت و بندگی کی طرف سبقت کرتے ہیں، مخاطب کر کے فرمایا:

﴿يا أيها الذين آمنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون﴾
(البقرة: ۱۸۳)

اے مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پر ہیزار بنو۔
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے روزہ دار بندوں کو جہاں ”اہل ایمان“ کے نام سے مخاطب کیا ہے، وہیں یہ بھی بتایا ہے کہ روزہ تقویٰ و پرہیزگاری کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ماہ رمضان کو صبر کا مہینہ قرار دیا ہے، چنانچہ اس مہینہ میں صبر واضح ترین صورت میں نمایاں ہوتا ہے، اور چونکہ رمضان کے روزے تقویٰ و پرہیزگاری کا سبب ہیں اور اہل تقویٰ کو اللہ تعالیٰ نے بشارت دی ہے:

﴿إنما يتقبل الله من المتقين﴾ المائدة: ۲۷

اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں ہی سے قبول فرمایا کرتا ہے۔

اس لئے ایک مومن کو ماہ رمضان کی آمد سے خوشی ہوتی ہے، مزید برآں اس وجہ سے بھی اس کے دل کو اس ماہ سے انشراح ہوتا ہے کہ یہ صبر کا مہینہ ہے، اس میں وہ صبر کی برکتیں حاصل کرتا اور صبر کی صفت سے متصف ہو کر ان بندگان الہی کے زمرہ میں شامل ہو جاتا ہے جن کے بارے میں رب العالمین کا ارشاد ہے:

﴿إنما يوفى الصابرون أجرهم بغير حساب﴾ الزمر: ۱۰

جو صبر کرنے والے ہیں ان کو بے شمار ثواب ملے گا۔

اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ماہ رمضان کی آمد سے انتہائی خوشی ہوتی، آپ انشراح صدر اور طمانینت نفس کے ساتھ اسے خوش آمدید کہتے، صحابہ کرام کو بھی اس کی آمد کی بشارت دیتے، اس کے حقوق کی کما حقہ ادائیگی پر ابھارتے اور اس کی خصوصیات و فضائل سے آگاہ فرماتے تھے، تاکہ اس مقدس مہینہ میں ان کے عزائم میں مزید پختگی پیدا ہو، ارادے بلند ہوں اور حسنات کی طرف وہ سبقت کریں۔ چنانچہ بیہقی نے شعب الایمان کے اندر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے شعبان کے آخری دن ہمیں خطبہ دیا تو فرمایا کہ لوگو! ایک عظیم اور مبارک مہینہ تم پر سایہ فگن ہے، اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کے روزے فرض قرار دیئے ہیں اور قیام اللیل نفل رکھا ہے، جو اس مہینہ میں کوئی نفل کام کرے گا اسے دیگر مہینوں کے ایک فرض کی ادائیگی کا ثواب ملے گا، یہ مہینہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے، یہ مہینہ غمخواری کا ہے، اس مہینہ میں مومن کی روزی بڑھادی جاتی ہے، جس نے اس مہینہ میں کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرایا تو یہ اس کے گناہوں کی بخشش اور جہنم سے نجات کا سبب بن جاتا ہے، مزید برآں روزہ افطار کرنے والے کے برابر اسے ثواب بھی ملتا ہے، لیکن روزہ افطار کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم میں سے ہر شخص کو تو ایسی چیز میسر نہیں جس سے وہ روزہ دار کو افطار کرائے، آپ نے فرمایا کہ یہ ثواب تو اس شخص کو اللہ تعالیٰ دیتا ہے جس نے گھونٹ بھر دودھ یا ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی سے کسی کو افطار کرایا ہو، اور جس نے کسی روزہ دار کو کھلا کر آسودہ کر دیا تو اس شخص کو اللہ تبارک و تعالیٰ میرے حوض کوثر سے ایسا جام پلائے گا کہ تا دخول جنت اسے پیاس محسوس نہ ہوگی، یہ مہینہ ایسا ہے جس کے ابتدائی ایام رحمت کے ہیں اور درمیانی مغفرت کے اور آخری ایام جہنم سے آزادی و نجات کے، اور جو شخص اس مہینہ میں اپنے ماتحتوں پر نرمی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور جہنم سے نجات دیدے گا۔

رمضان المبارک کے مہینہ کی یہ چند خصوصیات ہیں جو رسول امین ﷺ نے اس حدیث کے اندر بیان فرمائی ہیں تاکہ ہم اس ماہ مبارک کی قدر و منزلت پہنچائیں اور اللہ رب العالمین سے اجر و ثواب حاصل کریں۔

لیکن افسوس کہ بہت سے مسلمان اس مبارک مہینہ کا احترام نہیں کرتے، اس کی قدر و منزلت نہیں پہنچاتے، سارا دن سونے، آرام کرنے اور ذکر الہی اور تلاوت قرآن سے غفلت میں گزار دیتے ہیں، راتیں شہوات و نفسیات، قمار بازی، لہو و لعب نیز طاعت الہی سے روگردانی کی نذر ہو جاتی ہے۔

مسلمانو! ذرا سوچو کیا اللہ کی تدبیر اور اس کی سزا و عقاب سے ہم مامون ہیں؟ کیا اس فانی دنیا کے اندر ہم ہمیشہ زندہ رہیں گے؟ موت روزانہ نہ جانے کتنی جانوں کو اپنا لقمہ بنا رہی ہے اور ہر لمحہ ہمیں جزا و سزا کے گھر سے قریب کرتا جا رہا ہے،

اب تک کتنے لوگ اپنے اپنے بالا خانوں اور پریش سامان زندگی سے رخت سفر باندھ کر راہی عدم ہو چکے ہیں، تنگ و تاریک اور وحشت ناک قبران کا ٹھکانہ بن چکی ہے، جہاں سوائے عمل صالح کے کوئی مونس و غم خور ہے نہ دنیا کا جمع کردہ مال کچھ کام آسکتا ہے۔ ان مرنے والوں میں کتنے ایسے ہوں گے جنہوں نے دنیا کے اندر کتنا حرام کھایا ہوگا، بکثرت گناہ کئے ہوں گے، اچھے اچھے واعظوں کی نصیحت و موعظت ان کے لئے بے اثر اور صدا بصر اثابت ہوئی ہوگی، فرمان باری ہے:

﴿ذَرِهِمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِمُ الْأَمَلُ فَسُوفَ يَعْلَمُونَ﴾ الحجر: ۳

آپ انہیں کھاتا، نفع اٹھاتا اور (جوٹی) امیدوں میں مشغول ہوتا چھوڑ دیجئے، یہ خود ابھی جان لیں گے۔
یا اللہ! تو ہماری غفلت دور کر، آخرت کے لئے تیاری کی توفیق دے، قبر کی تنہائی میں ہم پر رحم فرما، قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ و مامون رکھ اور ہمارے گناہوں کو معاف کر دے۔

مولیٰ! تو بہت زیادہ معاف کرنے والا ہے، غفور و درگزر پسند کرتا ہے، اپنی رحمت سے ہماری کوتاہیاں معاف کر اور ہم پر باران رحمت نازل فرما۔

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ فَمَن شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُم وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ البقرة: ۱۸۵
رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اترا، راہ بتلاتا ہے لوگوں کو، اور اس میں کھلی کھلی دلیلیں ہیں ہدایت کی اور حق کو ناحق سے پہچاننے کی۔ پھر جو کوئی تم میں سے یہ مہینہ پائے وہ اس میں روزے رکھے، اور جو کوئی بیماری امسافر ہو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے، اللہ تم پر آسانی کرنا چاہتا ہے، سختی نہیں کرنا چاہتا، اور یہ چاہتا ہے کہ تم رمضان کی گنتی پوری کرو اور اللہ کی بڑائی کرو اس احسان پر کہ تم کو سیدھا راستہ چلایا اور تاکہ تم اس کا شکر کرو۔

تلاوت قرآن کی فضیلت

مسلمانو! قرآن کریم کی تلاوت بالخصوص ماہ رمضان میں ایک بڑی عبادت اور افضل ترین عمل ہے، کیونکہ اس مہینہ کے کچھ امتیازات ہیں جو دیگر مہینوں کو حاصل نہیں، رسول اکرم ﷺ دیگر مہینوں کی بہ نسبت ماہ رمضان میں قرآن کریم کی زیادہ تلاوت فرماتے، جبریل امین علیہ السلام ہر سال اس مہینہ میں آپ کو قرآن کا دور کراتے اور جب آپ کی زندگی کا آخری سال تھا تو انہوں نے دو مرتبہ آپ پر قرآن پیش کیا، رسول اللہ ﷺ خود عمل کرنے کے ساتھ ہی صحابہ کرام کو بھی تلاوت کی ترغیب دیتے اور اس کے فضائل و محاسن بیان فرماتے، چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”من قرأ حرفاً من كتاب الله فله به حسنة، والحسنة بعشر أمثالها، لا أقول الم حرف، ولكن ألف حرف، ولام حرف، وميم حرف۔“ (۱)

جس نے کتاب اللہ کے ایک حرف کی تلاوت کی اس کے بدلہ اسے ایک نیکی ملے گی اور وہ نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوگی، میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور ميم ایک حرف ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”ما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله يتلون القرآن ويتدارسونه فيما بينهم إلا نزلت عليهم السكينة، وغشيتهم الرحمة، وحفتهم الملائكة، وذكرهم الله فيمن عنده“ (۲)

جو بھی جماعت اللہ کے کسی گھر میں کتاب اللہ کی تلاوت کرنے اور باہم اسے پڑھنے کے لئے اکٹھا ہوتی ہے تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے، رحمت الہی انہیں ڈھانک لیتی ہے، فرشتے سایہ فگن ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے مقرب فرشتوں کے درمیان ان کا تذکرہ فرماتا ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

”يقول الرب تبارك و تعالى: من شغله القرآن عن ذكرى و مسألتي أعطيته أفضل ما أعطى السائلين، وفضل كلام الله على سائر الكلام كفضل الله على خلقه“۔ (۳)

رب تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو قرآن نے میرے ذکر سے اور مجھ سے سوال کرنے سے مشغول رکھا اسے میں وہ افضل ترین صلہ دوں گا جو سوال کرنے والوں کو دیتا ہوں، اور سارے کلام پر اللہ کے کلام کی فضیلت ویسی ہی ہے جیسی خود اللہ کی فضیلت اس کی مخلوق پر ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”مثل المؤمن الذي يقرأ القرآن كمثل الأترجة، ريحها طيب وطعمها طيب، ومثل المؤمن

(۱) جامع ترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ما جاء في من قرأ حرفاً من القرآن (۳۰۷۵) نیز دیکھئے: سنن دارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرأ القرآن (۳۱۹۰)

(۲) سیوطی نے اشارہ کیا ہے کہ ابوداؤد نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے اور مناوی نے ذکر کیا ہے کہ مذکورہ حدیث انہی الفاظ کے ساتھ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ملاحظہ ہو: فیض القدير ۴۰۹/۵، نیز دیکھئے: خطبہ ذکر الہی کی فضیلت۔

(۳) جامع ترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ۲۵ (۳۰۹۴) و سنن دارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل کلام اللہ علی سائر الکلام (۳۲۳۳)

الذی لا یقرأ القرآن کمثل التمرة، لا ریح لها وطعمها حلو، و مثل المنافق الذی یقرأ القرآن کمثل الریحانة، ریحها طیب و طعمها مر، و مثل المنافق الذی لا یقرأ القرآن کمثل الحنظلة، لیس لها ریح و طعمها مر“۔ (۱)

وہ مومن جو قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے اس کی مثال نارنگی کی ہے کہ اس کی بو بھی اچھی ہے اور ذائقہ بھی عمدہ ہے، اور وہ مومن جو قرآن کی تلاوت نہیں کرتا اس کی مثال کھجور کی ہے کہ اس میں کوئی بو نہیں البتہ ذائقہ شیریں ہے، اور اس منافق کی مثال جو قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے اس پھول کی طرح ہے جس کی بو تو اچھی ہے مگر ذائقہ کڑوا ہے، اور وہ منافق جو قرآن کی تلاوت نہیں کرتا اس کی مثال اندرائن کے پھل کی سی ہے جس میں کوئی خوشبو نہیں اور ذائقہ کڑوا ہے۔

نیز ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة، یعنی ملائكة الرحمن، والذی یقرأ القرآن و یتتبع فیہ وهو علیہ شاق فله أجران“ (۲)

قرآن کریم کی تلاوت میں مہارت رکھنے والا بزرگوں اور نیکوکار لکھنے والوں یعنی اللہ کے فرشتوں کے ساتھ ہوگا، اور جو شخص ہکلا کر قرآن کی تلاوت کرتا ہے اور اس میں اسے پریشانی ہوتی ہے اس کے لئے دو ہر اثواب ہے۔

اللہ کے بندو! قرآن کریم کے بے شمار فضائل ہیں جن میں سے یہ چند فضیلتیں ذکر کی گئیں، لہذا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن کریم کی بکثرت تلاوت کرے، اس کے معانی و مفاہیم کو سمجھے اور ان پر عمل کرے، قرآن کے احکامات بجالائے، منہیات سے دور رہے اور اس کے اخلاق و آداب سے اپنے آپ کو سنوارے، نبی کریم ﷺ کے اخلاق یہی قرآن تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ”خلق عظیم“ سے متصف فرمایا اور قرآن کے بارے میں اس کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾ الاسراء: ۹

یہ قرآن وہ رستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے۔

یعنی قرآن اس رستہ کی رہنمائی کرتا ہے جو توحید، عقائد اور عبادات وغیرہ کے معاملہ میں سب سے پختہ اور صحیح ہے۔ چنانچہ قرآن کریم توحید کا اثبات کرتا ہے، شرک سے روکتا ہے، تعلق باللہ کی طرف بلاتا اور کسی غیر اللہ سے لو لگانے سے منع کرتا ہے، کیونکہ ایک اللہ ہی کی ذات اسی ہے جو نفع و نقصان کی مالک ہے، اس کے سوا دنیا کا خواہ کوئی بھی شخص ہو خود اپنے لئے کسی

(۱) صحیح بخاری، کتاب الاطعمہ، باب ذکر الطعام (۵۴۲) صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب فضیلة حافظ القرآن (۷۹۷)

(۲) صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب فضل الماهر بالقرآن (۷۹۸) صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب ۵۲، ترجمۃ الباب۔

نفع و نقصان کی طاقت نہیں رکھتا، چہ جائیکہ دوسروں کو کچھ نفع پہنچائے یا ان سے کوئی شر دور کرے، قرآن کریم کا اعلان ہے:

﴿ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ - إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دَعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بَشْرِكُمْ وَلَا يَنْبَغُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ﴾ الفاطر: ۱۳-۱۴

یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے، اسی کی بادشاہی ہے، اور جن لوگوں کو تم اس کے سوا پکارتے ہو، کچھ اور کی گتھلی کے چھلکے کے برابر بھی کسی چیز کے مالک نہیں، اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں اور اگر سن بھی لیں تو تمہاری بات کا جواب نہ دے سکیں اور وہ قیامت کے روز تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے، اور اللہ باخبر کی طرح تمہیں کوئی خبر نہیں دے گا۔

لہذا دعا، التجا، استعانت، استغاثہ، خوف اور امید و بیم یہ سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی کی جاسکتی ہیں، اس کے علاوہ کسی اور سے جائز نہیں، کیونکہ عبادت و استعانت اسی کا حق ہے، جیسا کہ ہم اقرار کرتے ہیں:

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ الفاتحہ: ۵

اے پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

عبادت ہی وہ چیز ہے جو دلوں کو جلا بخشتی ہے، نفس کی تہذیب و تربیت کرتی ہے، ایمان کو بڑھاتی ہے اور روح کو حید کو مضبوط بناتی ہے، ارشاد بانی ہے:

﴿وَمَا أَمْرُو إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَمَةِ﴾ البینۃ: ۵

ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں یکسو ہو کر، اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں، اور یہی سچا دین ہے۔

برادران اسلام! قرآن کریم مکارم اخلاق کی طرف بلاتا ہے اور والدین کے ساتھ بھلائی صلہ رحمی، کمزوروں اور مسکینوں پر شفقت و نرمی اور اللہ کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تعلیم دیتا ہے، یہی وہ اخلاق ہیں جن کے ذریعہ ایک انسان دنیا و آخرت کی سعادت سے بہرہ مند ہوتا ہے، معاشرے کی اصلاح ہوتی ہے اور اس کا امن و سکون برقرار رہتا ہے۔

اللہ کے بندو! چونکہ حصول سعادت، اصلاح حال، انشراح صدر اور سکون قلب ذکر الہی کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے:

﴿أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ الرعد: ۲۸

سن لو! اللہ کے ذکر سے ہی دل اطمینان پاتے ہیں۔

لہذا خوشنودی مولیٰ کے لئے ہمہ وقت کثرت کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرو اور اس کے پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے نیز روزوں کی ادائیگی اور شب بیداری کے لئے ان مبارک ایام کو غنیمت جانو، کیونکہ تم ان بابرکت ایام سے گزر رہے ہو جن میں نیکیاں بڑھادی جاتی ہیں اور گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، بالخصوص اس مقدس سرزمین اور متبرک مقامات میں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مزید خصوصیات عطا کی ہیں، چنانچہ مسجد حرام کی ایک نماز کا ثواب دیگر مسجدوں کی ایک لاکھ نماز کے برابر ہے، اور اسی طرح ہر عمل صالح کا ثواب یہاں پر زیادہ ہے۔

لہذا کثرت سے نماز پڑھ کر اور قرآن مجید کی تلاوت اور صدقہ و احسان اور طواف وغیرہ کے ذریعہ ان بابرکت اوقات سے فائدہ اٹھاؤ، گناہ کے کاموں سے بچو اور خاص طور سے اس مہینہ میں اور اس مقدس سرزمین میں انتہائی محتاط رہو جہاں گناہ کی سزا بھی بڑھ جاتی ہے، لغو، جھوٹ، اور لوگوں کی آبروریزی سے اپنے روزے محفوظ رکھو۔

اللہ کے بندو! وہ شخص جس کا روزہ اسے سب و شتم، گالی گلوچ، غیبت، چغلی خوری، حرام خوری، دھوکہ، فریب، کذب، بہتان، سود خوری اور ناپ تول میں کمی بیشی کرنے سے باز نہ رکھے اس کا روزہ کیسے قابل قبول ہوگا؟ مسلمانو! اللہ کا خوف کھاؤ، کیونکہ تمہارے سامنے ایک بہت بڑا دن آنے والا ہے، جس میں نہایت ہی باریک اور مشکل ترین حساب کے لئے علیم و عادل حاکم کے سامنے پیش کئے جاؤ گے، اس دن مشفق باپ بھی کنارہ کشی اختیار کر لے گا اور مخلص دوست بھی تم سے بیزار ہو جائے گا، ارشاد الہی ہے:

﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ - إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ﴾ الشعراء: ۸۸-۸۹

جس دن نہ مال ہی کچھ فائدے دے سکے گا اور نہ بیٹے، ہاں جو شخص اللہ کے پاس پاک دل لے کر آیا (وہ بچ جائے گا)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ

تِجَارَةً لَّنْ تَبُورَ - لِيُؤْفِيَهُمْ أَجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ﴾ الفاطر: ۲۹-۳۰

جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں، وہ اس تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی تباہ نہیں ہوگی۔ کیونکہ اللہ ان کو پورا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے کچھ زیادہ بھی عطا کرے گا، وہ تو بخشنے والا اور قدردان ہے۔

دارالحدیث رحمانیہ، دہلی کے قیام کا پس منظر

(۳-۳)

مولانا سعد اعظمی راسخا جامعہ سلفیہ

تاسیس رحمانیہ اور مولانا محمد ابراہیم میرسیا لکھنؤ:

سابقہ سطور میں مذکور مختلف تحریروں میں جا بجا دارالحدیث رحمانیہ کی تاسیس کے محرک کے طور پر مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کا نام نامی مذکور ہوا ہے، بعض تحریروں میں مولانا میرسیا لکھنؤ کا تذکرہ آیا ہے اور بعض میں دونوں کا۔ اس تعلق سے بعض تحریریں ملاحظہ ہوں:

۱- رحمانیہ دہلی ہی کے فارغ التحصیل و مدرس مولانا عبدالغفار رحمانی تاسیس کے محرک کے طور پر مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کا تذکرہ کرنے اور مدرسہ کی تعمیر مکمل ہونے کا بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”اس تعمیری سلسلہ میں مولانا محمد ابراہیم میرسیا لکھنؤ دونوں حضرات (شیخ عبدالرحمن و شیخ عطاء الرحمن) کو اپنے بہترین مشوروں اور آراء سے مستفیض فرماتے رہے تھے۔“ (۱)

مولانا عبدالغفار حسن رحمانی مدرسہ رحمانیہ کی تاسیس سے متعلق کیے جانے والے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ”دارالحدیث رحمانیہ دہلی کی بنیاد ۱۹۲۱ء میں دہلی کے ایک بہت بڑے تاجر شیخ عبدالرحمن اور ان کے بھائی شیخ عطاء الرحمن نے مولانا ابراہیم میرسیا لکھنؤ کی ترغیب اور توجہ اور محدث شیخ عبدالعزیز رحیم آبادی کے اشارے پر رکھی۔“ (۲)

اسی انٹرویو میں رحمانیہ میں تشریف لانے والے علماء سے متعلق ایک سوال کے جواب میں آپ فرماتے ہیں:

”.....دیگر (رحمانیہ میں تشریف لانے والے) علماء میں مولانا ابراہیم میرسیا لکھنؤ بھی تھے، بلکہ یہ بھی تو ہیں جن کی ترغیب پر شیخ عبدالرحمن اور شیخ عطاء الرحمن نے اس مدرسہ کی بنیاد رکھی۔“ (۳)

(۱) الاعتصام لاہور، ۱۲/ اگست ۱۹۹۴ء ص: ۲۱

(۲) ماہنامہ صراط مستقیم، برنگھم، نومبر، دسمبر ۱۹۹۸ء ص: ۱۳

(۳) ایضاً، جنوری ۱۹۹۹ء ص: ۱۹

۲- مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی لکھتے ہیں:

”بعض لوگوں کے بیان کے مطابق دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا قیام مولانا رحیم آبادی مرحوم کے ایماء سے عمل میں آیا تھا، لیکن اس مرکز علم و فن کی بنیاد آپ کی حیات مستعار میں نہ پڑ سکی، اس لئے کہ بعض وقائع نگاروں کے بیان کی رو سے آپ کی وفات ۱۳۳۶ھ میں ہوئی اور رحمانیہ کا قیام ۱۳۳۹ھ میں عمل میں آیا۔

بہر کیف اس بیان کی صحت کو تسلیم کرتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ ہی کی رہنمائی اس کے قیام کی اصل محرک ہوئی اور آپ ہی کے ارشاد کے مطابق الحاج شیخ عبدالرحمن مرحوم نے اسے قائم کیا....“ (۱)

۳- جناب فاروق اعظمی صاحب مدرسہ رحمانیہ پر لکھے ہوئے اپنے مضمون میں فرماتے ہیں:

”..... لہذا حافظ مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی (مرحوم) نے دہلی کے رئیس کبیر جناب شیخ عبدالرحمن کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ شہر دہلی میں ایک ایسی مرکزی درس گاہ کا قیام عمل میں لایا جائے جو اس خلا کو پر کر سکے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس تجویز کے محرک مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی تھے، اولیت جس کو بھی حاصل ہو یہ حقیقت ہے کہ اول روز ہی سے یہ دونوں حضرات اس تحریک کے حامی، مؤید اور فعال رکن رہے اور اپنے تعاون و اشتراک سے اس تحریک کو تقویت پہنچاتے رہے۔“ (۲)

۴- جناب حکیم عبدالکریم قریشی فرماتے ہیں:

”ان نیک دل بھائیوں (شیخ عبدالرحمن و شیخ عطاء الرحمن) نے تجارت علیحدہ کرنے سے قبل بمشورہ حضرت مولانا میر سیالکوٹی ایک دینی مدرسہ کی تعمیر کا پختہ ارادہ کر کے نقد میں سے ۲/ لاکھ روپے بطور مصارف تعمیر علیحدہ کر لئے۔“

اس کے بعد مدرسہ کی افتتاحی تقریب میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کے خطاب کا یہ حصہ بھی موصوف نے نقل کیا ہے:

”اس کے بعد دہلی والوں سے خطاب فرمایا کہ اس عظیم الشان تعلیم گاہ کے بنانے اور سنوارنے میں اگرچہ آپ نے ہمت و قربانی کا ثبوت دیا ہے لیکن ہم پنجابیوں نے بھی ایک بہت بڑے ایثار سے کام لیا ہے کہ مولانا سیالکوٹی کو جو اہل حدیثان پنجاب کی علمی دنیا میں بمنزلہ روح مانے جاتے ہیں اس مدرسہ کی خدمت کے لئے پنجاب سے دہلی کو روانہ کر دیا ہے....“ (۳)

۵- یادگار مجلہ اہل حدیث کے مرتب نے مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کی تحریک و ترغیب پر دارالحدیث رحمانیہ قائم

(۱) مقدمہ اہل حدیث اور سیاست، ص: ۱۱

(۲) ماہنامہ محدث بنارس۔ اکتوبر ۱۹۸۴ء ص: ۲۰

(۳) مجلہ اہل حدیث ہریانہ، ۲۱/ مئی ۱۹۷۹ء ص: ۷، ۸، ۹

کرنے کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے:

”مولانا محمد ابراہیم میرسیا لکوٹی (م ۱۳۵۷ھ) بھی ان دنوں ”دارالحدیث“ نام کا ایک مدرسہ چلا رہے تھے، انہوں نے جب یہ بشارت سنی تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا، اور اپنے یہاں کا مدرسہ ”دارالحدیث“ اس کا نام مع کتب خانہ، اساتذہ و طلبہ دہلی کی اس نئی عمارت میں منتقل کر دیا، چونکہ دونوں بھائیوں کے اسماء میں آخری لفظ ”رحمان“ ہے، اسی مناسبت سے اس ”دارالحدیث“ کا نام ”دارالحدیث رحمانیہ“ پڑا۔“ (۱)

۶- مدرسہ دارالحدیث سیالکوٹ کے دہلی منتقل ہو کر دارالحدیث رحمانیہ میں ضم ہو جانے کا واقعہ مولانا عصمت اللہ رحمانی مئی اپنی خودنوشت سوانح حیات میں تفصیل سے اس طرح بیان کرتے ہیں:

”پھر مولوی ماجد علی جو پوری کی شہرت سے متاثر ہو کر منطق کے شوق میں ریاست میڈھو ضلع علی گڑھ گیا، اور مدرسہ یوسفیہ میں داخلہ لیا، مدرسہ مذکورہ میں طلبہ کی زبانی معلوم ہوا کہ مولوی ماجد علی سے کہیں زیادہ قابل ان کے ایک شاگرد مولانا محمد عرفان صاحب ہزاروی ہیں، اس لئے بجائے مولوی ماجد علی کے محمد عرفان صاحب کے پاس میں نے حمد اللہ اور مینڈی شروع کی۔ درحقیقت مولانا موصوف منطق اور فلسفہ میں بہت ہی قابل تھے اور اپنے استاد مولوی ماجد علی سے بہت آگے تھے۔

مدرسہ مذکور میں چند مہینہ گزارنے کے بعد کچھ مسلکی تعصب رکھنے والے طلبہ کی جھوٹی شکایت پر بلا تحقیق ہمیں مدرسہ سے نکل جانے کا حکم ملا اور ہم لوگ وہاں سے وطن واپس آ گئے اور مدرسہ اسلامیہ (فیض عام) شعبان تک حضرت استاذی مولانا احمد صاحب رحمہ اللہ سے پڑھتے رہے، اسی عرصہ میں ہم نے مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کو بذریعہ خط تمام حالات سے مطلع کیا اور یہ بھی لکھا کہ ہم لوگ بغرض تعلیم آنجناب کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں، ہمارے خط کا جواب مولانا موصوف نے فوراً دیا کہ تم لوگ فوراً آ جاؤ، ہم لوگوں نے جواب دیا کہ رمضان المبارک کے بعد شوال المکرم میں ہم لوگ ان شاء اللہ حاضر ہوں گے۔

رمضان المبارک کے بعد شوال ۱۳۳۷ھ میں ہم لوگ سیالکوٹ پہنچ گئے، ہم لوگ عشاء کے وقت مدرسہ دارالحدیث پہنچے، وہاں مولانا محمد اسماعیل صاحب گجرانوالہ پہلے ہی سے حضرت مولانا سیالکوٹی کے زیر تعلیم تھے۔

جب مولانا سیالکوٹی رحمہ اللہ کو ہماری آمد کی اطلاع ملی تو فوراً مدرسہ میں تشریف لائے اور ہم لوگوں کو بہت ہی محبت اور

پیار کے ساتھ خوش آمدید کہا اور دوسرے روز ہم لوگوں کے اسباق کا انتظام فرمایا اور ہم لوگ دو سال تک انتہائی آزادی کے ساتھ حضرت مولانا اور ان کے ماتحت مدرسین سے اپنے دامن کو گوہر مراد سے پر کرتے اور علمی پیاس بجھاتے رہے، ان دو سالوں میں ہم نے حضرت علامۃ سیالکوٹی رحمۃ اللہ سے حدیث میں ترمذی، نسائی، ابوداؤد، تفسیر میں بیضاوی، جلالین، مناظرہ میں رشیدیہ، ادب میں سبعہ معلقہ، مقامات حریری، دیوان حماسہ، مثنوی اور اصول تفسیر میں الفوز الکبیر، اصول فقہ میں توضیح تلویح، ہندسہ میں اقلیدس اور دیگر فنون کی کتابیں پڑھیں۔۔۔“ (۱)

موصوف نے اپنی تعلیم کے بارے میں اسی قدر بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے، البتہ ان کے ایک سوانح نگار نے مدرسہ دارالحدیث سیالکوٹ میں ان کی تعلیم کی مذکورہ بالا تفصیل بیان کرنے کے بعد اپنے مضمون میں یہ سرخی لگائی ہے: ”مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا قیام اور مدرسہ دارالحدیث سیالکوٹ کی دہلی میں منتقلی“ اس کے بعد رحمانیہ کے قیام کا پس منظر بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:

”.... اور بالآخر آپس میں طے کر کے ان بزرگان (مولانا ابو محمد ابراہیم آروی، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا ثناء اللہ امرتسری) نے شیخ عبدالرحمن و شیخ عطاء الرحمن (الاخوین) رئیس دہلی کو ایک دینی مدرسہ کے قیام پر زور دیا۔ ان دونوں بھائیوں نے ۱۹۲۱ء-۱۳۳۹ھ میں باڑہ ہندو راؤ دہلی میں ایک عالیشان درسگاہ بنام ”دارالحدیث رحمانیہ“ قائم کیا اور ادنیٰ سے لے کر آٹھویں جماعت تک درس نظامیہ کی تعلیم کا بندوبست کیا اور مدرسہ کے سارے اخراجات کی ذمہ داری تنہا اپنے سر لیا اور مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی سے اس مدرسہ کے انتظام و انصرام کے لئے مستقل طور پر دہلی میں قیام کی درخواست کی۔ جماعتی مفاد کے پیش نظر مولانا نے یہ درخواست منظور کر لی اور سال کے اختتام پر جب طلبہ گھر جانے لگے تو مولانا موصوف نے فرمایا کہ ”مدرسہ اب بجائے سیالکوٹ کے دہلی منتقل ہو جائے گا اور آپ سب حضرات شوال میں دہلی پہنچیں۔“

آپ کے حکم کے مطابق شوال ۱۳۳۹ھ کو طلبہ اور اساتذہ دہلی پہنچ گئے اور مولانا سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ پہلے ہی سے دہلی میں موجود تھے۔ ان ہی طلبہ میں مولانا حکیم عصمت اللہ صاحب منوی رحمانی بھی موجود تھے۔ چونکہ دارالحدیث ہند کا ایک مرکزی ادارہ تھا، اس لئے اس کا اعلان ہوتے ہی طلبہ کی ایک کثیر مقدار وہاں پہنچ گئی اور موجودہ اساتذہ ان طلبہ کے لئے ناکافی ہو گئے، اس وجہ سے مدرسین کی تلاش شروع ہو گئی، چونکہ مولانا عصمت اللہ صاحب اور ان کے ہم درس اونچی جماعت میں تھے اس لئے مولانا سیالکوٹی نے ان سے اسباق شروع کر دیا اور خالی اوقات میں دوسری جماعتوں کی بعض کتابیں بھی پڑھانے

لگے جس کے باعث مولانا دن بھر تعلیم میں مشغول رہتے تھے۔ چند مہینوں کے بعد آپ کی طبیعت اچاٹ ہو گئی اور ہمیشہ کے لئے دہلی سے اپنے وطن چلے آئے، اپنے شاگردوں کو خاص طور پر مولانا عصمت اللہ اور ان کے ساتھیوں کو حکم دے گئے کہ یہیں اپنی تعلیم مکمل کرنا۔ ان حضرات نے مولانا کے حکم کی تعمیل کی اور اپنی تعلیم دارالحدیث رحمانیہ ہی میں مکمل کی، اس حیثیت سے آپ دارالحدیث رحمانیہ کے سابقون الاولون میں سے ہیں، آپ کا سن فراغت ۱۳۴۱ھ ہے۔“ (۱)

۷۔ والد محترم مولانا محمد صاحب اعظمی ہمارے دادا مولانا عبدالعلی علیہ الرحمۃ پر لکھے ہوئے اپنے ایک مضمون میں رقمطراز ہیں:

”..... پھر وطن واپس آ کر مدرسہ فیض عام میں مولانا عبدالرحمن سابق مدرس فیض عام، حکیم مولانا عصمت اللہ رحمانی، اور حکیم مولانا محمد سلیمان رحمانی وغیرہ کے ساتھ شریک درس ہوئے۔ یہاں سے متوسطات پڑھ کر ان ساتھیوں کا قافلہ ۱۳۳۹ھ میں سیالکوٹ (پنجاب) پہنچا اور حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی مرحوم کے مدرسے دارالحدیث میں داخل ہوا۔ مولانا مرحوم سیالکوٹی سے اس قافلے کے اکتساب فیض کا سلسلہ دو سال تک جاری رہا، اسی زمانے میں دہلی کے ایک مخیر شیخ میاں عطاء الرحمن رحمہ اللہ نے صرف اپنے حساب پر باڑہ ہندو راؤ دہلی میں مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ کی عالیشان بلڈنگ کی تعمیر کا کام جاری کیا تھا جو ۱۳۳۹ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچا اور اسی سال شیخ مرحوم کی دعوت پر مولانا سیالکوٹی مرحوم تدریسی خدمات انجام دینے دہلی منتقل ہو گئے۔ صد افسوس جماعت اہل حدیث کا یہ عظیم ادارہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے فساد کی نذر ہو گیا اور اسی وقت سے جامعہ ملیہ کی تحویل میں شفیق میموریل ہائی اسکول میں تبدیل ہو گیا۔“ (۲)

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مدرسہ کی حیات ہی میں مزید کچھ دوسرے لوگوں کی طرف مدرسہ کی تاسیس کی تحریک کی نسبت کی جانے لگی تھی جو خلاف واقعہ تھی، اسی وجہ سے ذمہ داران ادارہ کو باقاعدہ اس تعلق سے وضاحت شائع کرانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ملاحظہ ہوا اخبار محمدی دہلی میں شائع درج ذیل تحریر:

”مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کی بنا:

اکثر دوستوں کو بعض مولوی صاحبان سے شکایت ہے کہ وہ ہر بھلے کام کی نسبت خواہ مخواہ اپنی طرف کر بیٹھتے ہیں کہ فلاں کام کا بانی میں ہوں، فلاں تحریک کا محرک میں ہوں، فلاں مفید اسکیم کا مجوز میں ہوں، حالانکہ بعد از تلاش وہ اس آیت کے

(۱) مجلہ آثار جدیدہ، ستمبر ۲۰۰۴ء، ص: ۲۳-۲۴

(۲) ماہنامہ محدث بنارس، جنوری ۲۰۰۸ء، ص: ۱۷

مصدق اترتے ہیں: ”یحبون أن یحمدوا بما لم یفعلوا“ چاہتے ہیں کہ ان افعال پر ان کی تعریفوں کے گیت گائے جائیں جو انہوں نے کئے ہی نہ ہوں۔

مدرسہ رحمانیہ دہلی جو (اخبار) محمدی کے ناظرین سے کسی تعارف کا محتاج نہیں جس کے علوم کے چشمے ہندوستان بھر کو سیراب کر رہے ہیں اس کی نسبت بعض مولویوں کی زبانی سنان کی تحریریں اخباروں میں پڑھیں کہ اس کی بنا بھی میرے چشم و ابرو کے اشاروں کی ممنون ہے، میری نوک زباں نے اہل حدیثوں کو یہ نعمت عطا فرما رکھی ہے لیکن تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ بھی ”مفت احسان دشتی“ کا مضمون ہے۔ ہم نے موجودہ مہتمم صاحب مدظلہ وغیرہ سے دریافت کیا تو ان کی زبانی معلوم ہوا کہ جماعت اہل حدیث کے سچے محسن اور بھی خواہ جن کی زبان و بیان میں قدرت نے سچی تاثیر رکھی تھی یعنی حضرت مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب مرحوم رحیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایسے عظیم الشان مدرسہ کی خواہش ظاہر کی تھی، ان کے فرمان کا یہ نتیجہ ہے، اس کی رغبت دلانے والے اس کی تحریک کرنے والے خدا غریق رحمت کرے مولانا مرحوم تھے نہ کہ کوئی اور۔ ہمارا جی نہیں چاہتا تھا کہ اس حقیقت کا بھی اظہار کریں لیکن اس وجہ سے کہ ہمارے پیرو مرشد حضرت مولانا رحیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ کو جماعت دعائے خیر میں یاد کرے میں نے یہ تحریر چھپوا دی ہے.....“ (التفات الرحمن) (۱)

ان تمام نقول و بیانات کو سامنے رکھتے ہوئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ مدرسہ کی تاسیس میں دیگر اسباب و محرکات کے ساتھ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کی ترغیب و تحریض کا بھی دخل تھا، البتہ مولانا کی زندگی میں مدرسہ قائم نہ ہو سکا بلکہ آپ کی وفات کے دو تین سال بعد اس کے قیام کی نوبت آئی۔

جب مدرسہ کی تاسیس عمل میں آئی تو اس وقت جماعت کے بڑے علماء میں مولانا محمد ابراہیم صاحب میرسیا لکھنؤ، مولانا محمد صاحب جونا گڑھی، مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری وغیرہ رحمہم اللہ موجود تھے، ظاہر بات ہے ایک دینی ادارہ کو ایک تجربہ کار ماہر تعلیم عالم دین کی سرپرستی کی ضرورت تھی، اس تعلق سے ذمہ داران کی نظر انتخاب مولانا سیالکوٹی پر پڑی، گویا مولانا رحیم آبادی کے سانحہ ارتحال سے جو خلا پیدا ہوا تھا اسے مولانا سیالکوٹی پر کرنے کے مکلف بنائے گئے، مولانا نے تاسیس کے ایام میں یہ ذمہ داری بطریق احسن نبھائی۔

اس طرح مدرسہ کے تعلق سے مولانا میرسیا لکھنؤ کے رول کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، البتہ مولانا رحیم آبادی کی کوششوں کو نظر انداز کر کے اصل محرک کے طور پر مولانا سیالکوٹی کو پیش کرنا قرین انصاف نہیں۔ واللہ اعلم

☆☆☆

غسل کے احکام و مسائل کتاب وسنت کی روشنی میں

(۳-۳)

مولانا عبدالولی عبدالقوی سلفی
مکتب دعوة وتوعية الجاليات، سعودی عرب

(۴) غسل کا شرعی معنی:

مخصوص طریقہ سے پورے بدن پر پاک اور جائز پانی کے استعمال کو غسل کہا جاتا ہے۔ (منتہی الارادات لابن النجار ۷/۸۷)
(۵) غسل کی شرائط:

(۱) اسلام (۲) عقل (۳) تمیز (۴) پانی کا پاک ہونا (۵) پانی کا جائز ہونا (۶) چڑے تک پانی پہنچنے سے مانع چیز کا زائل کرنا (موجب غسل کا ختم ہونا۔ (منار السبیل ۱/۵۷۱)
(۶) غسل کے ارکان:

(۱) نیت:

چونکہ نیت دل کے عزم کو کہتے ہیں اس لئے غسل کرنے والا غسل شروع کرتے وقت دل میں حدث اکبر (بڑی ناپاکی) سے پاکی حاصل کرنے کا ارادہ بٹھائے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
”انما الأعمال بالنیات وانما لكل امری ما نوى“۔
اعمال کا دار و مدار نیتوں ہی پر ہے اور ہر آدمی کو اس کی نیت ہی کا پھل ملے گا۔

(۲) بدن کے ہر حصہ پر پانی پہنچانا:

غسل کرنے والا بدن کے ہر حصہ تک پانی پہنچائے، جس حصہ کا ملنا ممکن ہو اسے ملے اور جس پر پانی بہا سکے اس پر پانی بہائے یہاں تک کہ اسے غالب گمان ہو جائے کہ بدن کے ہر حصہ تک پانی پہنچ گیا ہے۔

(۳) بالوں کا خلال کرنا:

سر کے بالوں کا خلال کیا جائے تاکہ جڑ تک پانی پہنچ جائے۔

(۷) مسنونات غسل:

(۱) بسم اللہ پڑھنا، بعض کے نزدیک یاد ہونے کی صورت میں واجب ہے، اور بھول جانے کی صورت میں ساقط

ہو جاتا ہے۔

(۲) ہاتھ کو برتن میں داخل کرنے سے پہلے تین مرتبہ اپنی دونوں ہتھیلیوں کو دھونا۔

(۳) جسم پر پانی بہانے سے پہلے شرمگاہ دھونا اور گندگی کو زائل کرنا۔

(۴) جسم دھونے سے پہلے اعضاء وضو کو دھونا (یعنی نماز کی طرح مکمل وضو کرنا)

(۸) مکروہات غسل:

(۱) ایک یا اس سے زائد سنتوں کا چھوڑ دینا:

(۲) پانی کے استعمال میں فضول خرچی کرنا:

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک صاع پانی سے غسل ادا ایک مد سے وضو فرماتے تھے۔ (ابوداؤد، الطہارۃ، باب ما تجزئ من الماء فی الوضوء ج ۹۲، ابن ماجہ: ۲۶۷، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح ابوداؤد ۲۰/۸۳، ج ۸۳)

”صاع“ عہدی نبوی کا ایک پیانہ جوئی تحقیق کے مطابق بہنے والی چیزوں میں ۴۰۲۱۲ (چار لیٹر دو سو بارہ گرام) کے مساوی اور غلات میں ۲۰۲۲ (دو کیلو چوبیس گرام) کے مساوی ہوتا ہے۔

”مد“ عہدی نبوی کا ایک پیانہ جو ککڑی سے بنایا جاتا تھا اور وہ چوتھائی صاع کے مساوی ہوتا تھا اور ایک صاع دو کلو چوبیس گرام غلہ کے مساوی ہوتا ہے، اس طرح ایک مد غلہ میں ۸۰۱۲ (آٹھ سو بارہ گرام) گیہوں اور بہنے والی چیزوں میں تقریباً چھ سو گرام کے مساوی ہوگا۔ (الآئینۃ والاعیۃ المستقدمۃ فی العہد النبوی للدکتور محمد بن فارس الجلیل ص ۱۶۳-۱۶۶)

القاموس المحیط میں ہے کہ ”مد“ اس کو کہتے ہیں کہ متوسط قد و قامت کا انسان جب اپنی دونوں ہتھیلیوں کو پھیلا کر کسی چیز سے بھر لے، تو اسے ”مد“ کہا جاتا ہے۔ (القاموس المحیط ۱/۴۰۷)

(۳) گندی جگہ پر غسل کرنا کہ گندگی کے جسم پر آنے کا اندیشہ ہو۔

(۴) دیوار وغیرہ کے پردہ کے بغیر غسل کرنا:

جیسا کہ میمونہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے لئے غسل کا پانی رکھا اور آپ کا ایک کپڑے سے پردہ کیا..... پھر آپ نے غسل فرمایا۔ (بخاری، الغسل، باب اذا ذکر فی المسجد انه جب یخرج کما هو ولا یتیمم ج ۲۷۵)

نیز رسول اللہ ﷺ نے جب ایک صحابی رسول کو کھلے میدان میں ننگے نہاتے ہوئے دیکھا، تو فرمایا:

”ان الله عز وجل حي ستير يحب الحياء والستر فاذا اغتسل أحدکم فلیستتر“.

بیشک اللہ تعالیٰ حیا دار پردہ پوش ہے، شرمو حیا اور پردہ کو پسند فرماتا ہے، لہذا جب کوئی شخص غسل کرے تو پردہ اختیار

کر لے۔ (ابوداؤد، الحما، باب النہی عن التعری ح ۴۰۱۲، نسائی، ۴۰۶، المعجم الکبیر ۲۲/۲۵۹، ح ۶۷۰، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: ارواء الغلیل ۷/۳۶۷)

(۵) ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل کرنا جو بہتانہ ہو:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

” لا یغتسل أحدکم فی الماء الدائم وهو جنب “.

جو شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے، دراصل حالیکہ وہ جنبی ہو۔ راوی نے پوچھا اے ابو ہریرہ! وہ کس طرح غسل کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس میں سے پانی لے لے کر غسل کرے۔ (مسلم، الطہارۃ، باب النہی عن الاغتسال فی الماء الراکد ح ۲۸۳)

(۹) غسل جنابت کا مسنون طریقہ:

ہم ذیل میں فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات پر مشتمل غسل کا مکمل طریقہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) غسل کرنے والا سب سے پہلے دل میں غسل کی نیت کرے۔

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی چیز حاصل ہوتی ہے جس کی وہ نیت کرے“۔ (بخاری، باب بدء الوضوء ح ۱)

(۲) غسل شروع کرتے وقت بسم اللہ کہے (جیسا کہ وضو کے بیان میں گزر چکا ہے)

(۳) پھر تین مرتبہ اپنی دونوں ہتھیلیوں کو دھلے۔ (بخاری، الغسل، باب الغسل مرة واحدة ح ۲۵۷، مسلم، الحيض،

باب صفة غسل الجنابة ح ۳۱۶)

(۴) بائیں ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو دھلے اور ہم بستری کی وجہ سے شرمگاہ اور اس کے گرد جو گندگی لگی ہو اسے زائل

کرے۔ (بخاری، الغسل، باب الوضوء قبل الغسل ح ۲۴۹، مسلم، الحيض، باب صفة غسل الجنابة ح ۳۱۷)

(۵) پھر بائیں ہاتھ جس سے شرمگاہ کو دھویا تھا، مٹی سے اچھی طرح صاف کرے۔ (بخاری، ۲۶۶، مسلم، ۳۱۷)

(۶) پھر نماز کی طرح مکمل وضو کرے۔ (بخاری، ۲۴۸، مسلم، ۳۱۶)

اور اگر چاہے تو نماز کی طرح وضو کرے لیکن اپنے دونوں پیروں کو نہ دھلے یہاں تک کہ غسل کے آخر میں دھلے، جیسا

کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ (بخاری، الغسل، باب الوضوء قبل الغسل ح ۲۴۹)

(۸) انگلیوں کو پانی سے تر کر کے داڑھی کے بالوں کی جڑوں کا خلال کرے۔ (بخاری، ۲۴۸، مسلم، ۳۱۶)

پھر اپنے سر پر تین لب پانی ڈلے اور اسے بالوں کی جڑوں تک پہنچائے۔ (بخاری، الغسل، باب الوضوء قبل الغسل ح

۲۴۸، مسلم، الحيض، باب صفة غسل الجنابة ح ۳۱۶)

پہلے اپنے سر کے دائیں حصہ پر پھر بائیں اور پھر سر کے بیچ میں پانی ڈالے۔ (بخاری، الغسل باب من بدأ بالحلاب والطيب عند الغسل ح ۲۵۸، مسلم، الحيض، باب صفة غسل الجنابة ح ۳۱۸)
(۹) پھر پورے بدن پر پانی بہائے۔ (بخاری، الغسل، باب الوضوء قبل الغسل ح ۲۴۸، مسلم، الحيض، باب صفة غسل الجنابة ح ۳۱۶)

جسم کو خوب اچھی طرح دونوں ہاتھوں سے ملے تاکہ جسم کا کوئی حصہ خشک باقی نہ رہے، اور دونوں بغلوں، ران کی جڑوں اور جسم کے جوڑوں پر خاص دھیان دے کہ کہیں وہ خشک نہ رہ جائیں۔
جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب غسل جنابت کا ارادہ کرتے تو سب سے پہلے اپنی دونوں ہتھیلیاں دھلتے، پھر جوڑوں کو دھوتے۔ (ابوداؤد، الطہارۃ، باب فی الغسل من الجنابة ح ۲۴۳، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح ابوداؤد ۴۸/۱، ح ۲۲۳)

(۱۰) پھر اپنی جگہ سے ہٹ کر اپنے دونوں پاؤں دھوئے اگر وضو کرتے وقت پاؤں نہ دھلے ہوں۔ (بخاری، الغسل، باب الوضوء قبل الغسل ح ۲۴۹، مسلم، الحيض، باب صفة غسل الجنابة ح ۳۱۷)
تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: زاد المستقنع ۱۹۵/۱، شرح العمدة ۳۶۷/۱، فقہ الاسلام شرح بلوغ المرام ۱۱۰/۱

(۱۰) طریقہ غسل کی توضیح کے لئے دو احادیث:

طریقہ غسل کی توضیح کے لئے دو احادیث درج ذیل ہیں:

(۱) عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ غسل جنابت کا ارادہ فرماتے تو اس طرح شروع کرتے کہ (پہلے) دونوں ہاتھ (پہنچوں تک) دھوتے، پھر وضو کرتے جس طرح نماز کے لئے وضو کرتے ہیں، پھر اپنی انگلیاں پانی میں داخل کر کے نکالتے اور اس سے بالوں کی جڑوں کا خلال کرتے، پھر تین چلو پانی اپنے سر پر ڈالتے، اس کے بعد اپنے تمام بدن پر پانی بہاتے۔ (بخاری، الغسل، باب الوضوء قبل الغسل: ۲۴۸، مسلم، الحيض، باب صفة غسل الجنابة: ۳۱۶)

(۲) میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غسل کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ دھوئے، پھر شرمگاہ کو دھویا، پھر بایاں ہاتھ جس سے شرمگاہ کو دھویا تھا زمین پر گرٹا، اور اس کو دھویا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر چہرہ دھویا، پھر کہنیوں تک ہاتھ دھوئے، پھر سر پر پانی ڈالا اور بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچایا، تین بار سر پر پانی ڈالا پھر تمام بدن پر پانی ڈالا، پھر جہاں آپ نے غسل کیا تھا اس جگہ سے ہٹ کر پاؤں دھوئے۔ (بخاری، الغسل، باب الوضوء قبل الغسل ح ۲۴۹، مسلم، الحيض، باب صفة غسل الجنابة: ۳۱۷)

مختصر مسائل زکوٰۃ

تحریر: ابوعدنان محمد منیر قمر

ارکان اسلام میں ایمان، نماز اور روزہ کے بعد زکوٰۃ دین اسلام کا انتہائی اہم رکن ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم قرآن شریف میں کم و بیش اسی (۸۰) مرتبہ دیا ہے، زکوٰۃ کا لغوی معنی ہے:

”بڑھنا“، ”پاک ہونا“، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وہ شخص کامیاب ہو گیا، جس نے اپنے آپ کو پاک کیا“۔ (الاعلیٰ: ۱۴) قرآن شریف میں ہے:

۱- ”نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، اور رسول کی اطاعت کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے“۔ (سورہ نور: ۵۶)

۲- ”اور جو زکوٰۃ تم لوگ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دیتے ہو، اس سے دراصل دینے والے اپنے مال میں اضافہ کرتے ہیں“۔ (سورہ روم: ۳۹)

۳- ”اے نبی! تم ان کے اموال سے زکوٰۃ لے کر انہیں گناہوں سے پاک کرو“۔ (سورہ توبہ: ۱۰۳) زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے لئے حکم الہی:

۱- ”تباہی ہے، ان مشرکوں کے لئے جو زکوٰۃ نہیں دیتے، اور آخرت کے منکر ہیں“۔ (سورہ حم سجدہ: ۶-۷)

۲- ”جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے مال دیا ہے اور وہ بخل سے کام لیتے ہیں، اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ ان کے حق میں بہتر ہے، بلکہ یہ بہت برا ہے، اس بخل سے جو کچھ وہ جمع کر رہے ہیں، اسے قیامت کے دن طوق بنا کر ان کے گلے میں ڈالا جائے گا“۔ (سورہ آل عمران: ۱۸۰)

۳- ”دردناک سزا کی خوشخبری سنا دو، ان لوگوں کو جو سونا اور چاندی جمع رکھتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، ایک دن آئے گا کہ ایسے سونے چاندی پر جہنم کی آگ دھکائی جائے گی پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پٹھوں کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا: یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کیا، لو اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو“۔ (سورہ توبہ: ۳۴-۳۵) نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

”اس صدقہ سے کوئی مال کم نہیں ہوتا، مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہو، کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں“۔

زکوٰۃ فرض ہونے کی شرائط:

زکوٰۃ فرض ہونے کی دو شرائط ہیں:

۱- وہ مال بقدر نصاب یا اس سے زیادہ ہو، نصاب سے مراد وہ کم سے کم مقدار ہے جو شریعت نے مختلف چیزوں کے لئے مقرر کی ہے۔

۲- اس پر ایک قمری (ہجری) سال گزر چکا ہو، البتہ زمین کی پیداوار پر ایک سال کی شرط نہیں۔ فصل کاٹنے اور صاف کر لینے کے ساتھ ہی ادا کی جائے۔ اسی طرح کانوں اور دبے ہوئے خزانوں کے لئے بھی ایک سال کی شرط نہیں۔

یہ ہر آزاد مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے، جس میں مندرجہ بالا شرائط پائی جائیں، اگر مال کا مالک بچہ یا نابالغ آدمی ہو، تب بھی سرپرست پر فرض ہے کہ زکوٰۃ ادا کرے، قرض اگر نصاب کے مال سے زیادہ ہو تو زکوٰۃ فرض نہیں۔
مشترکہ کھاتہ (کمپنی):

☆ امام ابوحنیفہؒ و امام مالکؒ: کسی پر زکوٰۃ اس وقت تک واجب نہیں ہے جب تک ان میں سے ہر ایک کا حصہ بقدر نصاب نہ ہو۔

☆ امام شافعیؒ: مشترک مال کا حکم ایک ہی شخص کے مال کا ہے۔

☆ وجہ اختلاف: نبی ﷺ کے ارشاد: ”پانچ اوقیہ (۵۰، ۵۲، ۵۴، ۵۶، ۵۸) سے کم چاندی پر زکوٰۃ نہیں ہے“ سے یہ واضح نہیں کہ آیا یہ حکم صرف اس وقت ہے، جبکہ مال صرف ایک ہی شخص کی ملکیت ہو، یا اس وقت بھی ہے جبکہ کئی شریک ہوں۔ بعض ائمہ پہلی صورت پر اور بعض دوسری صورت پر متفق ہیں۔ اور دوسری ہی صحیح ہے، کیونکہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ”زکوٰۃ کے ڈر سے نہ متفرق مال کو اکٹھا کیا جائے اور نہ اکٹھے کو الگ الگ“۔ (صحیح بخاری)

اموال زکوٰۃ (جن پر زکوٰۃ فرض ہے):

۱- سونا اور چاندی (نقدی) ۲- مال تجارت ۳- زرعی پیداوار

۴- مولیشی ۵- کان اور دبے ہوئے خزانے

وہ اشیاء جن پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے:

ذاتی استعمال کی اشیاء، ذاتی مکان یا مکان کی تعمیر کے لئے پلاٹ، ذاتی استعمال کی اشیاء (مثلاً کار، فرنیچر، فرج، حفاظتی ہتھیار یا مولیشی خواہ کتنی ہی قیمت کے ہوں) پر زکوٰۃ نہیں۔

ا- سونا اور چاندی: ان پر چالیسواں حصہ (۴۰/۱۰۰ یا ۲۵٪) زکوٰۃ ادا کرے گا:

(۱) سونا: ساڑھے سات (۷.۵۰) تولے سے زیادہ ہو تو چالیسواں حصہ یعنی ۲.۵۰٪ زکوٰۃ ہے، جبکہ ملکیت میں ایک

سال گزر جائے، اصل اعتبار وزن کا ہوگا، قیمت کا نہیں۔

☆ عورت کے زیورات کی زکوٰۃ: اگرچہ اس مسئلہ میں اختلاف رائے ہے، لیکن علماء کے صحیح تر قول کے مطابق زکوٰۃ دینی چاہئے۔

(۲) چاندی: ساڑھے باون (۵۲.۵۰) تولے سے زیادہ ہو تو چالیسواں حصہ یعنی ۲.۵۰٪ زکوٰۃ ہے، جبکہ ملکیت میں ایک سال گزر جائے، اصل اعتبار وزن کا ہوگا قیمت کا نہیں۔

☆ نصاب کیا ہے؟ کیا استعمال کے لئے کوئی زیریں حد مقرر ہے؟ یا نصاب ہی حد ہے؟ سونے کا نصاب ساڑھے سات (۷.۵۰) تولے۔ چاندی کا ساڑھے باون (۵۲.۵۰) تولے۔ ایک سال گزرنے پر، ۲.۵۰٪ زکوٰۃ ہوگی۔ سونے اور چاندی کی قیمت کا اندازہ موجودہ بھاؤ (قیمت فروخت) کے مطابق لگا کر زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے۔

ب۔ مال تجارت: مال تجارت پر زکوٰۃ فرض ہے:

ج۔ زرعی پیداوار:

زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ قرآن، سنت اور اجماع امت تینوں کی رو سے فرض ہے۔

۱۔ خود بخود سیراب ہونے والی زمین پر فصل یا غلے کا عشر یعنی دسواں حصہ (۱۰٪) ہے۔

۲۔ مصنوعی ذرائع سے سیراب ہونے والی زمین پر فصل یا غلے کا نصاب نصف عشر یعنی بیسواں حصہ (۵٪) ہے۔

☆ فصل یا غلے کی اقسام: گندم، جو، کھجور، کشمش، جوار، مکئی، باجرہ، چاول وغیرہ۔

د۔ غلوں اور پھلوں کا نصاب:

☆ غلوں اور پھلوں کا نصاب: جمہور کے نزدیک ۵ سق یعنی تقریباً ۲۵ کلوگرام کے برابر ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”غلوں اور پھلوں پر ۵ سق (۲۵ کلوگرام) سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔“ (صحیحین، سنن اربعہ، مسند احمد)

شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کا اس پر اتفاق ہے کہ غلوں کا نصاب پانچ سق ۲۵ کلوگرام ہے، جبکہ وہ خشک ہو چکے ہوں اور انہیں چھلکوں وغیرہ سے صاف کر لیا گیا ہو۔

☆ غلوں اور پھلوں کی شرح زکوٰۃ:

زمین کے قدرتی ذرائع (بارش وغیرہ) سے سیراب ہونے پر عشر (دسواں حصہ) اور مصنوعی ذرائع سے سیراب ہونے پر نصف عشر (بیسواں حصہ) زکوٰۃ ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو زمین آسمان (بارش، برف، اوس، اولے) یا قدرتی چشموں سے سیراب ہو، اس پر عشر اور دوسرے مصنوعی ذرائع سے سیراب

کی جانے والی پر نصف عشر ہے۔ (بخاری، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

☆ پھلوں کا عشر، بذریعہ خرس:

(خرس یعنی تخمینہ، اندازہ) پھل پک جائے تو توڑنے سے پہلے عشر کی مقدار کا پتہ کرنے کے لئے تخمینہ و اندازہ لگانا خرس کہلاتا ہے۔

☆ مولیٰ: حدیث میں زکوٰۃ کے لئے تین قسم کے جانوروں کا ذکر ہے۔

۱- اونٹ ۲- گائے (بھینس) ۳- بھیڑ بکری

۱- اونٹ:

حدیث: ”۲۴ سے کم اونٹ ہوں تو ہر ۵ اونٹوں پر ایک بکری زکوٰۃ اور ۲۵ اونٹ ہو جائیں تو ان پر ایک سال کی ایک اونٹنی“۔
نصاب: (۱) ۴ اونٹوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں، الا یہ کہ مالک خود دینا چاہے۔ (۲) ۵ سے ۹ اونٹوں پر ایک بکری۔ (۳) ۱۰ سے ۱۴ اونٹوں پر ۲ بکریاں۔ (۴) ۱۵ سے ۱۹ اونٹوں پر ۳ بکریاں۔ (۵) ۲۰ سے ۲۴ اونٹوں پر ۴ بکریاں۔ (۶) ۲۵ سے ۳۵ اونٹوں پر ایک سال کی ایک اونٹنی۔ (۷) ۳۶ سے ۴۵ اونٹوں پر ۲ سال کی ایک اونٹنی جو تیسرے سال لگ چکی ہو۔ (۸) ۴۶ سے ۶۰ اونٹوں پر ۳ سال کی ایک اونٹنی جو چوتھے سال لگ چکی ہو۔ (۹) ۶۱ سے ۷۵ اونٹوں پر ۴ سال کی ایک اونٹنی، جو پانچویں سال میں لگ چکی ہو۔ (۱۰) ۷۶ سے ۹۰ اونٹوں پر ۲ سال کی دو اونٹنیاں، جو تیسرے سال لگ چکی ہوں۔ (۱۱) ۹۱ سے ۱۱۲ اونٹوں پر ۳ سال کی تین اونٹنیاں جو چوتھے سال میں لگ چکی ہوں۔ اور جب اونٹ ۱۲۰ سے زیادہ ہوں تو ہر چالیس اونٹوں پر ۲ سال کی ایک اونٹنی اور ہر پچاس اونٹوں پر تین سال کی ایک اونٹنی زکوٰۃ ہوگی۔ (بخاری، ابوداؤد، ترمذی)

۲- گایوں بھینسوں پر زکوٰۃ:

(۱) ۳۰ سے کم تعداد پر زکوٰۃ نہیں، لیکن ۳۰ پر ایک سال کا بچھڑایا بچھیا۔ (۲) ۴۰ پر ۲ سال کا بچھڑایا بچھیا۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

۳- بکریوں اور بھیڑوں پر نصاب:

(۱) ۴۰ سے کم پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔ (۲) ۴۰ سے ۱۲۰ پر ایک بکری۔ (۳) ۱۲۱ سے ۲۰۰ پر ۲ بکریاں۔ (۴) ۲۰۰ سے ۳۰۰ پر ۳ بکریاں، ۳۰۰ سے زائد ہر سو (۱۰۰) بکریوں پر ایک بکری کے حساب سے زکوٰۃ ادا کریں۔ گدھوں، گھوڑوں اور خچروں پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے، لیکن اگر تجارت کے لئے رکھے ہوئے ہیں تو زکوٰۃ واجب ہے۔

۴- کانیں اور معدنیات:

ان پر ۲۰٪ زکوٰۃ ہے، جو پائے جانے یا نکالنے کے ساتھ ہی ادا کرنی چاہئے نہ کہ ایک سال گزرنے کے بعد۔

زکوٰۃ کی ادائیگی اور تقسیم:

- ۱- زکوٰۃ جلد از جلد ادا کرنی چاہئے، پیشگی بھی ادا کی جاسکتی ہے۔
- ۲- زکوٰۃ جہاں سے نکالے وہیں ادا کر دینی چاہئے، دوسری جگہ منتقل نہ کیجائے، ہاں اگر زیادہ ہو یا بچ جائے تو دوسری جگہ بھیجی جاسکتی ہے، رسول کریم ﷺ دوسری جگہوں سے آیا ہوا زکوٰۃ کا مال اہل مدینہ یا مہاجرین میں تقسیم فرمایا کرتے تھے۔
- وہ لوگ جن پر زکوٰۃ حرام ہے:
- ۱- غنی اور مکتسب (تندرست کما سکے والا) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اپنا مال بڑھانے کے لئے لوگوں سے سوال کرتا ہے وہ آگ کے انگارے مانگتا ہے، اسے اختیار ہے چاہے ان کی مقدار زیادہ کرے یا کم۔“

۲- نبی ﷺ کا خاندان۔

۳- غیر مسلم، البتہ بعض شکلوں میں ممکن ہے، جن کا ذکر آگے ”مصارف زکوٰۃ“ میں آ رہا ہے۔

۴- بیوی (شوہر بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا)۔

۵- آباء و اجداد اور اولاد و احفاد کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔

وہ لوگ جن کو زکوٰۃ اور صدقہ دینا دوسروں کی نسبت افضل ہے:

۱- شوہر۔

۲- والدین اور اولاد کے سوا دوسرے رشتہ دار، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”سب سے افضل صدقہ وہ ہے جو کسی تنگ دست رشتہ دار پر کیا جائے“۔ (مختصر از فقہ السنۃ، محمد عاصم)

زکوٰۃ کے مصارف و مقامات:

مصارف زکوٰۃ آٹھ (۸) ہیں، جن کا ذکر سورۃ التوبہ، آیت ۶۰ میں آیا ہے، وہ درج ذیل ہیں:

۱- فقیر،

۲- مسکین: یہ دونوں باہم قریب قریب ہی ہیں، حتیٰ کہ ان کا ایک دوسرے پر بھی اطلاق ہوتا ہے، تاہم دونوں میں یہ بات قطعی ہے کہ جو شخص حاجت مند ہو اور ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے وسائل سے محروم ہو، اسے فقیر و مسکین کہا جاتا ہے، فقیر سے مسکین قدرے بہتر حیثیت رکھنے والا ہوتا ہے اور وہ دست سوال بھی دراز نہیں کرتا اور نہ ہی اپنی شکل ایسی بناتا ہے کہ لوگ اسے کچھ دیں، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم کی ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے۔

۳- عاملین: حکومت کے وہ اہل کار جو زکوٰۃ جمع کرنے، اسے تقسیم کرنے اور اس کا حساب کتاب رکھنے پر مامور ہوتے

ہیں، ان کی اجرت یا تنخواہیں مال زکوٰۃ سے دی جاسکتی ہیں اور وہ ان کے لئے حلال ہے، چاہے وہ مالدار ہی کیوں نہ ہوں، البتہ نبی ﷺ نے اپنی ذات اور اپنے خاندان (بنی ہاشم) پر اس مد میں بھی زکوٰۃ منع قرار دی ہے۔

۴- مؤلفۃ القلوب: (۱) وہ کافر جو اسلام کی طرف کچھ مائل ہو، اور اس کی مدد کرنے سے اس کے مسلمان ہو جانے کی توقع ہو۔ (۲) وہ نو مسلم افراد جنہیں ایسی امداد اسلام پر مضبوط کر دینے کا باعث بن سکتی ہو۔ (۳) وہ افراد جنہیں امداد دینے کی صورت میں یہ امید ہو کہ وہ اپنے علاقے کے لوگوں کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے سے روکیں گے، یوں مسلمانوں کو کفار سے تحفظ حاصل ہوگا۔

☆ احناف کے نزدیک یہ مصرف ختم ہو گیا ہے، لیکن یہ بات صحیح نہیں، حالات کے مطابق ہر دور میں اس مصرف پر زکوٰۃ کا پیسہ خرچ کیا جاسکتا ہے۔

۵- گردنیں آزاد کرانا: غلام آزاد کرانے کے لئے زکوٰۃ کا پیسہ خرچ کیا جاسکتا ہے، وہ مکاتب ہو یا غیر مکاتب۔ امام شوکانی کے نزدیک اس میں کوئی فرق نہیں۔

۶- غارمین: وہ مقروض جواہل و عیال کے نان و نفقہ کے سلسلہ میں زیر بار ہو گئے ہوں اور قرضہ ادا کرنے کے لئے نہ نقد رقم ہو، نہ کوئی چیز کہ جسے بیچ کر ادا کر سکیں۔ دوسرے وہ ذمہ دار اصحاب ضمانت ہیں کہ کسی کی ضمانت دی اور پھر اس کی ادائیگی کے ذمہ دار قرار پا گئے، تیسرے وہ لوگ جو کسی فصل کے تباہ ہو جانے یا کاروبار کے خسارہ کی وجہ سے مقروض ہو گئے، ان سب کی امداد بھی مال زکوٰۃ سے کی جاسکتی ہے۔

۷- فی سبیل اللہ: جہاد و مجاہدین پر خرچ کرنا، چاہے مجاہدین مالدار ہی کیوں نہ ہو، بعض احادیث کی رو سے حج و عمرہ بھی ”فی سبیل اللہ“ میں داخل ہے۔

اسی طرح بعض علماء کے نزدیک دعوت و تبلیغ دین اور نشر و اشاعت اسلام کے تمام شعبے بھی اس میں شامل ہیں، کیونکہ اس سے بھی جہاد کی طرح اعلائے کلمۃ اللہ ہی مقصود ہوتا ہے۔

۸- ابن السبیل: اس سے مراد وہ مسافر ہے، جو دوران سفر نقصان ہو جانے یا جیب کٹ جانے وغیرہ سے مستحق امداد ہو گیا ہو، چاہے وہ اپنے گھریا وطن میں صاحب حیثیت ہی کیوں نہ ہو۔ زکوٰۃ کی رقم سے اس کی مدد کی جاسکتی ہے (مختصراً از تفسیر احسن البیان، مولانا حافظ صلاح الدین یوسف، تفسیر سورہ توبہ، آیت: ۶۰) واللہ الموفق۔

زکوٰۃ کے منتخب مسائل

زکوٰۃ فرائض اسلام میں سے ایک ہے اور اس فریضہ کا ترک یا اس کے سلسلہ میں کوتاہی کر کے مسلمان اپنے آپ کو بڑے خطرہ سے دوچار کر لیتا ہے، اس فریضہ کی ادائیگی سے نفس اور مال دونوں پاک ہوتا ہے، غرباء پروری کا حق بھی ادا ہوتا ہے اور اس سے بہت سے کار خیر کے انجام دینے میں مدد ملتی ہے۔ زکوٰۃ اموال تجارت، زمین، جانور، پیداوار وغیرہ پر فرض ہے، بعض شرائط کے ساتھ نیز رائج اور محتاط مسلک کے مطابق زیورات پر بھی فرض ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کے پاس ایک خاتون اپنی صاحبزادی کے ساتھ آئیں جس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے، آپ نے دریافت کیا کہ کیا تم اس کی زکوٰۃ دیتی ہو، انہوں نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا: **أحبك أن يسورك الله بهما سوارين من نار**۔ کیا تم اس بات کو پسند کرو گی کہ اللہ اس کے بدلے میں تم کو آگ کے دو کنگن پہنادے۔ اس حدیث اور بعض دوسری حدیثوں سے زیور کی زکوٰۃ کی فرضیت پر استدلال کیا گیا ہے، زکوٰۃ سے متعلق بعض مسائل اکثر پوچھے جاتے ہیں، اس کے مد نظر زکوٰۃ کے چند مسائل جو سعودی عرب کے سابق مفتی عام شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ پر مشتمل ایک مترجم کتاب سے ماخوذ ہے، قارئین کے لئے پیش خدمت ہیں۔ (ادارہ)

۱-س: کیا اس سونے میں زکوٰۃ ہے جس کو عورت بطور زینت اپنے پاس رکھتی اور استعمال کرتی ہے، اور جو تجارت کے لئے نہیں ہے؟

۱-ج: عورتوں کے زیورات جب نصاب کو پہنچ جائیں اور تجارت کے لئے نہ ہوں تو ان کی زکوٰۃ کے وجوب کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ اگر نصاب کو پہنچ جائیں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی اگرچہ وہ صرف پہننے اور زینت ہی کے لئے کیوں نہ ہوں۔

سونے کا نصاب بیس مثقال (ساڑھے سات تولہ) ہے اور اس کی مقدار گرام سے ۹۲ گرام ہے، اگر زیورات اس سے

کم ہوں تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے الا یہ کہ تجارت کے لئے ہوں تو ان کی قیمت سونے اور چاندی کے نصاب کو پہنچ جانے پر مطلق ان میں زکوٰۃ ہوگی، اور چاندی کا نصاب ایک سو چالیس مثقال (۶۴۴) گرام ہے اور اس کی مقدار درہم سے ۵۶ ریال ہے (یعنی چاندی کے ۵۶ سکے)، اور اگر چاندی کے زیورات اس سے کم ہوں تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے الا یہ کہ تجارت کے لئے ہوں تو ان کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کو پہنچ جانے پر مطلق ان میں زکوٰۃ ہوگی۔

سونے اور چاندی کے استعمال والے زیورات میں زکوٰۃ کے وجوب کی دلیل نبی ﷺ کے قول کا عموم ہے: ”ما من صاحب ذهب ولا فضة لا يؤدي زكاتها إلا إذا كان يوم القيامة صفحت له صفائح من نار فيكوى بها جنبه وجبينه وظهره“ (۱)

جو سونے اور چاندی والا اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو قیامت کے دن اس کے لئے آگ کی چادریں بنادی جائیں گی اور اس سے اس کا پہلو، پیشانی اور پیٹھ داغی جائے گی۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ ایک عورت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس کی لڑکی کے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن تھے تو آپ نے اس سے پوچھا: ”أيسرك أن يسورك الله بهما يوم القيامة سوارين من نار، فألقتهما وقالت: هما لله ورسوله“ (۲)

کیا تمہیں پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہیں ان دو کنگنوں کے بدلے آگ کے دو کنگن پہنائے؟ تو اس نے ان دونوں کو نکال کر رکھ دیا اور کہا وہ دونوں اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ وہ سونے کے کنگن پہنتی تھیں تو رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا یہ کنز (۳) ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ”ما بلغ أن تؤدي زكاته فزكى فليس بكنز“ (۴)۔ جو نصاب کو پہنچ جائے اور اس کی زکوٰۃ دے دی گئی تو وہ کنز نہیں ہے۔

آپ نے ام سلمہؓ سے یہ نہیں کہا کہ زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

اور جو نبی ﷺ سے یہ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ”ليس في الحلى زكاة“ (۵) زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے، تو

(۱) مسلم: الزكاة، باب إثم مانع الزكاة (۹۸۷) ابوداؤد (۱۲۵۸)

(۲) حسن ہے۔ صحیح الترغیب (۷۲۸)۔ اس کو ابوداؤد (۱۵۶۳) ترمذی (۶۳۷) اور نسائی (۲۴۶۹) نے روایت کیا ہے۔

(۳) یعنی وہ مال یا خزانہ جس کی زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر عذاب کی وعید آئی ہے۔

(۴) حسن ہے۔ صحیح الجامع (۵۵۸۲)، الصحیحہ (۵۵۹)۔ اس کو ابوداؤد (۱۵۶۳) نے روایت کیا ہے۔

(۵) ضعیف ہے، ضعیف الجامع (۴۹۰۶)۔ اس کو دارقطنی (۸/۶/۱۰۹/۲) نے روایت کیا ہے۔

وہ ضعیف ہے، اس کو صحیح احادیث کے مقابلہ میں پیش کرنا درست نہیں ہے، واللہ ولی التوفیق۔

۲-س: ان زیورات کی زکوٰۃ کس طرح نکالی جائے جن میں صرف سونا نہیں ہوتا بلکہ ان میں مختلف قسم کے نگینے اور قیمتی پتھر جڑے ہوتے ہیں؟ کیا سونے کے ساتھ ان قیمتی پتھروں اور نگینوں کے وزن کا بھی حساب ہوگا، کیونکہ سونے کو ان سے جدا کرنا دشوار ہے؟

۲-ج: سونے ہی میں زکوٰۃ ہے اگر وہ پہننے اور استعمال کے لئے ہو، موتی اور ہیرے وغیرہ کی جنس کے قیمتی پتھروں میں زکوٰۃ نہیں ہے، اگر ہار وغیرہ میں اس طرح کی چیزیں ہوں تو عورت یا اس کا شوہر یا اس کے سر پرست سوچ سمجھ کر سونے کا تخمینہ لگائیں گے یا جانکار اور تجربہ کار کے سامنے پیش کریں گے، اور جس بات پر ظن غالب ہو جائے اس پر عمل کرنا کافی ہوگا، اگر نصاب کو پہنچ گیا ہو تو زکوٰۃ ادا کرے، نصاب میں مثقال (ساڑھے سات تولہ) ہے اور گرام سے ۹۲ گرام ہے اور ہر سال زکوٰۃ ادا کرے، اس میں چالیسواں حصہ یعنی ہر ہزار میں پچیس ہے۔ یہی اہل علم کا صحیح قول ہے، لیکن زیورات تجارت کے لئے ہوں تو جمہور کے نزدیک مال تجارت کی طرح موتی یا ہیرے سمیت جملہ زیورات کی زکوٰۃ حسب قیمت ادا کرنا ہوگا۔

۳-س: میں نے وہ سونا فروخت کر دیا جس کو ایک مدت پہلے استعمال کرتی تھی اور اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی، براہ کرم وضاحت فرمائیں کہ اس کی زکوٰۃ کس طرح ادا ہوگی اور یہ معلوم رہے کہ میں نے اس کو چار ہزار ریال میں فروخت کیا ہے؟

۳-ج: اگر تمہیں اس کو فروخت کرنے کے بعد زکوٰۃ کے وجوب کا علم ہوا تو تم پر کوئی مضائقہ نہیں، اور اگر تمہیں اس کا علم تھا تو اس رقم کی ایک سال کی زکوٰۃ ہر ہزار میں پچیس کے حساب سے ادا کرو، اور اسی طرح بازار میں سونے کی موجودہ قیمت کے مطابق اس سے پہلے کے سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرو، اور زکوٰۃ ڈھائی فیصد واجب ہے جس کو سکھ رائج الوقت سے تمہیں ادا کرنا ہوگا، لیکن اگر تمہیں اس کا علم آخری سال میں ہوا تو تم پر آخری سال کی زکوٰۃ ادا کرنی واجب ہے۔

۴-س: کیا میری طرف سے میرے شوہر میرے مال کی زکوٰۃ نکال سکتے ہیں، یہ مال انہوں نے ہی مجھے دیا ہے؟ اور کیا مجھے اپنی بیوہ بہن کے لڑکے کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جو بالکل نوجوان ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے؟

۴-ج: اگر آپ کے پاس سونے یا چاندی یا اس کے علاوہ دوسرے اموال زکوٰۃ ہیں اور وہ نصاب کو پہنچ گئے ہوں یا اس سے زیادہ ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہے، اگر آپ کے شوہر آپ کی طرف سے اور آپ کی اجازت سے زکوٰۃ نکال دیں تو کوئی حرج نہیں، اور ایسے ہی اگر آپ کی طرف سے اور آپ کی اجازت سے آپ کے باپ یا بھائی وغیرہ زکوٰۃ نکال دیں تو کوئی حرج نہیں۔ بھانجے کو شادی میں اس کی امداد کرنے کی خاطر زکوٰۃ دینا جائز ہے بشرطیکہ وہ شادی کے اخراجات سے عاجز اور بے بس ہو۔

۵-س: کیا بیوی اپنے شوہر کو اپنے زیورات کی زکوٰۃ دے سکتی ہے جو (سرکاری) ملازم ہے اور اس کی تنخواہ چار ہزار ریال ہے لیکن وہ تیس ہزار ریال کا مقروض ہے؟

۵-ج: علماء کے صحیح قول کے مطابق عورت کو اپنے زیورات وغیرہ کی زکوٰۃ اپنے شوہر کو دینے میں کوئی حرج نہیں اگر وہ غریب یا ایسا مقروض ہے کہ ادائیگی سے قاصر ہے، اس کی دلیل اس باب میں وارد ہونے والے دلائل کا عموم ہے، ان ہی میں سے اللہ کا یہ فرمان ہے: ﴿ إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبِهِمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ ﴾ [التوبة: ۶۰]

”در اصل یہ صدقات غریبوں اور مسکینوں کے لئے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو صدقات کے کام پر مامور ہیں اور ان لوگوں کے لئے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو اور گردنوں کے چھڑانے کے لئے اور قرضداروں کے لئے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لئے، اللہ کی طرف سے فرض ہے۔

۶-س: ان زیورات کی زکوٰۃ کس طرح نکالی جائے جن میں صرف سونا نہیں ہوتا بلکہ ان میں مختلف قسم کے نگینے اور قیمتی پتھر جڑے ہوتے ہیں؟ کیا سونے کے ساتھ ان قیمتی پتھروں اور نگینوں کے وزن کا بھی حساب ہوگا، کیونکہ سونے کو ان سے جدا کرنا دشوار ہے؟

۶-ج: سونے ہی میں زکوٰۃ ہے اگر وہ پہننے اور استعمال کے لئے ہو، موتی اور ہیرے وغیرہ کی جنس کے قیمتی پتھروں میں زکوٰۃ نہیں ہے، اگر ہار وغیرہ میں اس طرح کی چیزیں ہوں تو عورت یا اس کا شوہر یا اس کے سرپرست سوچ سمجھ کر سونے کا تخمینہ لگائیں گے یا جانکار اور تجربہ کار کے سامنے پیش کریں گے، اور جس بات پر ظن غالب ہو جائے اس پر عمل کرنا کافی ہوگا، اگر نصاب کو پہنچ گیا ہو تو زکوٰۃ ادا کرے، نصاب بیس مثقال (ساڑھے سات تولہ) ہے اور گرام سے ۹۲ گرام ہے اور ہر سال زکوٰۃ ادا کرے، اس میں چالیسواں حصہ یعنی ہر ہزار میں پچیس ہے۔ یہی اہل علم کا صحیح قول ہے، لیکن زیورات تجارت کے لئے ہوں تو جمہور کے نزدیک مال تجارت کی طرح موتی یا ہیرے سمیت جملہ زیورات کی زکوٰۃ حسب قیمت ادا کرنا ہوگا۔

(شیخ ابن باز)

ماہ رمضان اور تلاوت قرآن کریم

ماہ رمضان یہ نزول قرآن کا مہینہ ہے، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ اس ماہ مبارک میں قرآن کی تلاوت کا اہتمام کریں، اسلاف ماہ رمضان میں اس کا خاص اہتمام کرتے تھے، محسن انسانیت نبی اکرم ﷺ اس ماہ مبارک میں حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ پورے قرآن کا دور کرتے، وہ آپ ﷺ کو پورا قرآن دہراتے۔

قرآن کریم پڑھنے یا سننے کے وقت گریہ و زاری کرنا

سلف صالحین بغیر تفکر اور تدبر کے شعر و شاعری کی طرح قرآن نہیں پڑھتے تھے، بلکہ وہ کلام الہی کو پوری توجہ سے پڑھتے اور اس سے ان کے دل متاثر ہوتے۔

محسن انسانیت رسول اکرم ﷺ کی سیرت کو پڑھئے، آپ پر پورا قرآن نازل کیا گیا، لیکن تلاوت قرآن کے وقت آپ کی کیا کیفیت ہوتی۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے کہا: ”اقرأ علی“ مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ، حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں میں نے کہا آپ ہی پر قرآن نازل کیا گیا اور آپ ہی کو پڑھ کر سناؤں، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”إني أحب أن أسمع من غيري“ مجھے دوسروں سے قرآن سننا اچھا لگتا ہے، صحابی رسول کا بیان ہے: میں نے سورہ نساء کی تلاوت شروع کی اور جب اس آیت پر پہنچا: ”فكيف إذا جئنا من كل أمة بشهيد وجئنا بك على هؤلاء شهيدا“ اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان تمام لوگوں پر گواہ بنادیں گے۔ جب حضور اکرم ﷺ نے یہ آیت کریمہ سنی تو کہا: ”حسبك“ بس کافی ہے، صحابی رسول عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو آپ کی دونوں آنکھیں اشکبار تھیں۔

امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کی ہے، صحابی رسول بیان کرتے ہیں کہ جب قرآن کی یہ آیت: ”أفمن هذا الحديث تعجبون وتضحكون ولا تبكون“ (النجم: ۵۹-۶۰) نازل ہوئی (کیا اس بات سے تم تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو روتے نہیں)، اہل صفہ رونے لگے، صحابی رسول راوی حدیث کا بیان ہے کہ پھر ہم لوگ بھی رونے لگے، اس موقع پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”لا يلج النار من بكى من خشية الله“ جو اللہ کے ڈر سے روئے وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ سورہ مطففین کی تلاوت شروع کی، جب ”یوم یقوم الناس لرب العالمین“ (اس دن کو یاد کرو جب لوگ اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہوں گے) تک پہنچے رونے لگے یہاں تک کہ گر گئے اور اس کے آگے نہ بڑھ سکے۔ (التذکار ص ۱۸۸)

مزاحم بن زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے ہمیں مغرب کی نماز پڑھائی، سورہ فاتحہ کی تلاوت شروع کی، جب ”ایاک نعبد و ایاک نستعین“ (اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں)، اس پر پہنچے تو رونے لگے حتیٰ کہ ان کی قرأت یہیں ختم ہو گئی، پھر دوبارہ ”الحمد لله رب العالمین“ سے پڑھنا شروع کیا۔

اسراہیم بن اشعث رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک رات فضل بن عیاض رحمہ اللہ کو سورہ محمد پڑھتے ہوئے سنا، آپ رو رہے تھے، اور بار بار اس آیت کو پڑھتے جا رہے تھے: ”ولنبلونکم حتی نعلم المجاہدین منکم والصابرین ونبلو أخبارکم“ (سورہ محمد: ۳۱) یقیناً ہم تمہارا امتحان لیں گے تاکہ تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو ظاہر کر دیں اور ہم تمہاری حالتوں کو بھی جانچ کر لیں۔

اور فضیل رحمہ اللہ کہہ رہے تھے ہم تمہاری حالتوں کو بھی جانچ کر لیں اور دہرا رہے تھے: ”وتبلو أخبارنا“ مولیٰ تو ہماری حالتوں کی جانچ کرے گا ”ان بلوت أخبارنا“ اگر تو نے ہماری حالتوں کی جانچ کی تو ہمیں رسوا کر دے گا، ہمارے عیوب کا پردہ چاک کر دے گا، اگر تو نے ہماری حالتوں کی جانچ کی تو ہمیں ہلاک کر دے گا، ہمیں عذاب دے گا اور رو رہے تھے۔

ماہ رمضان میں بکثرت ذکر الہی، توبہ و استغفار اور دعائیں مصروف رہنا

ماہ رمضان کے شب و روز نہایت فضیلت اور عظمت والے ہیں، اس لئے کثرت ذکر و اذکار اور دعاؤں کے ذریعہ ان کی قدر کرنی چاہئے، خاص طور سے قبولیت کے اوقات میں دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہئے، جو یہ ہیں:

۱- افطار کے وقت کیونکہ اس وقت دعا لوٹائی نہیں جاتی۔

۲- رات کے آخری حصے میں جس وقت اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے، اور کہتا ہے: ”هل من سائل فأعطيه هل من مستغفر فأغفر له“ ہے کوئی مجھ سے مانگنے والا میں اسے دے دوں، ہے کوئی مغفرت چاہنے والا میں اس کے گناہوں کو معاف کر دوں۔

۳- سحری کے وقت توبہ و استغفار، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وبالأسحار هم يستغفرون“ (ذاریات: ۱۸)

وقت سحر وہ لوگ استغفار کرتے ہیں۔

۴۔ جمعہ کے دن دعا کی قبولیت کے وقت کو تلاش کرنا، اور ان میں سب سے بہتر وقت جمعہ کے دن کا آخری حصہ ہے۔
برادران اسلام! جنت کے باغات کی سیر و تفریح اور نیکیوں کے سایے سے لطف اندوز ہونے کے بعد، میں تمہیں ایک اہم بات کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں، تم جانتے ہو وہ کیا ہے؟ وہ اخلاص ہے، کتنے روزہ دار ایسے ہیں جن کو بھوک و پیاس کی تکلیف کے علاوہ کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا اور کتنے تہجد گزار ایسے ہیں جن کو بیداری اور تھکاوٹ کے علاوہ کوئی فائدہ نہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مصیبت سے محفوظ رکھے، آمین۔

اس اہمیت کے پیش نظر رسول اکرم ﷺ نے اس نکتہ پر بہت زور دیا ہے: ”ایماننا واحتسابا“ یعنی صیام و قیام میں اخلاص نیت ضروری ہے۔

سلف صالحین کی سیرت کو پڑھئے، اخلاص کا ان کے اندر کیسا جذبہ تھا کہ ریا و نمود کے ڈر سے وہ اپنی نیکیوں کو چھپاتے تھے۔
حماد بن زید رحمہ اللہ حضرت ایوب سختیانی بزرگ تابعی کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ بسا اوقات حضرت ایوب سختیانی پر حدیث بیان کرتے وقت رقت طاری ہو جاتی، فوراً لوگوں سے اپنی توجہ ہٹا لیتے اور کھکھارنے لگتے اور بہانہ کرتے کہ بہت شدید قسم کا زکام ہے، اپنے رونے کو وہ زکام کا بہانہ لیکر چھپاتے تھے۔

محمد بن واسع بیان کرتے ہیں: میں نے ایسے اللہ والوں کو پایا ہے کہ وہ اور ان کی اہلیہ دونوں ایک ہی تکیہ پر سر رکھ کر سوتے اور ان کے آنسوؤں سے چہرہ کے نیچے تکیہ کا حصہ بھگ جاتا اور ان کی شریکۂ حیات کو اس کا حساس بھی نہ ہوتا، یہی محمد بن واسع رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ایسے نیک اور صالح بندوں کو بھی دیکھا ہے کہ نماز کے لئے صف میں کھڑے رہتے آنسو بہہ کر رخسار تک چلا جاتا اور بغل والے نمازی کو احساس بھی نہ ہوتا۔

یہی محمد بن واسع رات میں نماز تراویح کے لئے بیدار ہوتے تو اسے چھپانے کی کوشش کرتے، جب صبح ہونے لگتی، اپنی آواز بلند کرنے لگتے، اس طرح کہ ابھی سو کر اٹھ رہے ہیں۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی انسان چھپ کر کے کوئی نیکی کرتا ہے تو برابر شیطان اس کے سات لگا رہتا ہے، یہاں تک کہ بندہ شیطان کو مغلوب کر دیتا ہے تو وہ نیکی علانیہ کے زمرے میں لکھی جاتی ہے، پھر شیطان برابر اس کے ساتھ لگا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ پسند کرنے لگتا ہے کہ اس نیکی پر اس کی تعریف کی جائے تو علانیہ کے زمرے سے اس کو مٹا دیا جاتا ہے، پھر وہ ریا و نمود کے زمرے میں لکھ دیا جاتا ہے۔
(ماخوذ از: تحفہ رمضان المبارک)

دعا تقرب الہی کا بہترین ذریعہ

رمضان المبارک عبادتوں کا موسم ہے اور عبادتوں کی روح دعا ہے، رب کا ذکر، اس کو پکارنا، اس سے لو لگانا اور اس کی طرف رجوع کرنا یہ مغز عبادت ہے، اگر عبادت اس سے خالی رہے تو وہ بے جان ہے۔ قرآن کریم میں روزہ کی فرضیت اور اس کے احکام و مسائل نیز رمضان کی فضیلت کے بیان کے ساتھ ہی ساتھ اس بات کا بیان کہ جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں فَأُنِی قَرِیْبَ أَجِیْبَ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَا میں ان سے بہت قریب ہوں اور جب دعا کرنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے تو اس کی دعا کو سنتا ہوں، یہ فرما کر رمضان اور ان کے روزہ کا دعا سے جو گہرا رشتہ ہے اس کو بیان کر دیا گیا اور اسی طرح دوسری آیت میں اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ بوقت سحر وہ دعا واستغفار کرتے ہیں نیز آپ نے فرمایا: تَتَجَافَى جُنُوبَهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا۔ ان کے پہلو بستر سے الگ رہتے ہیں اور اپنے رب سے ثواب کی امید اور عذاب سے ڈرتے ہوئے دعا کرتے ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: دَعْوَةُ الصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِهِ لَا تَرُدُّ۔ روزہ دار کی دعا افطار کے وقت مقبول و مستحب ہے۔

ان نصوص سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رمضان المبارک جس طرح صیام و قیام کا مہینہ ہے، اسی طرح یہ قبولیت دعا کا بھی موسم ہے اور اس مہینہ میں بکثرت دعا کر کے دن اور رات، افطار اور سحری کے وقت اپنی عاجزی اور بندگی کا اظہار اور اپنے رب کا تقرب و رضا حاصل کرنی چاہئے۔

ذیل میں چند مستحب دعائیں علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مترجم کتاب سے ماخوذ ہیں، یہ دعاؤں کا ایک بہترین گلدستہ ہے، رمضان المبارک میں ان دعاؤں کو بکثرت پڑھ کر ہم رب کریم کی رحمت و مغفرت کے مستحق بن سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔ (ادارہ)

• ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ“۔

”پاک ہے اللہ اور اس کی حمد بیان کرتے ہیں۔ پاک ہے اللہ عظیم والا“۔

• ”لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ“۔

”تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے، بے شک میں ہی ظالم ہوں۔“

● ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ، لَهُ النُّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ، وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ“۔

”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم سب اسی کی بندگی کرتے ہیں، اسی کے لئے نعمت ہے اور فضل، اور اسی کے لئے اچھی تعریف ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہم خالص کرتے ہیں اسی کے لئے دین کو، خواہ کافر پسند نہ کریں۔“

● ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“۔

”نہیں ہے کسی کو زور اور قوت اللہ کے سوا۔“

● ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

”اے ہمارے رب! عطا کر ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔“

● ”اللَّهُمَّ أَصْلِحْ لِي دِينِي الَّذِي هُوَ عَصَمَةَ أَمْرِي وَأَصْلِحْ لِي دُنْيَايَ الَّتِي فِيهَا مَعَاشِي، وَأَصْلِحْ لِي آخِرَتِي الَّتِي فِيهَا مَعَادِي وَاجْعَلْ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِي فِي كُلِّ خَيْرٍ، وَالْمَوْتَ رَاحَةً لِي مِنْ كُلِّ شَرٍّ“۔

”اور میرے لئے میری دنیا سدھار دے جس میں میری روزی ہے، اور میرے لئے میری آخرت سدھار دے جس میں مجھے لوٹ کر جانا ہے اور زندگی کو میرے لئے ہر بھلائی میں زیادتی کا باعث بنادے اور موت کو میرے لئے ہر برائی سے راحت بنادے۔“

● ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرَكِ الشَّقَاءِ، وَسُوءِ الْقَضَاءِ، وَشِمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ“۔

”میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کی، آزمائش کی سختی سے اور نحوست کے پانے سے اور بُرے فیصلے سے اور دشمنوں کے ہنسے سے۔“

● ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ، وَمِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَمِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ، وَمِنَ الْمَأْتَمِ وَالْمَغْرَمِ وَمِنَ غَلَبَةِ الدِّينِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ“۔

”اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکر سے اور غم سے اور عاجزی و سستی و بزدلی، اور بخل و گناہ سے اور قرض خواہ اور قرض کے غلبہ سے، اور لوگوں کے دباؤ سے۔“

● ”أَعُوذُ بِكَ اللَّهُمَّ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُنُونِ، وَالْجَذَامِ، وَمِنْ سَيِّئِ الْأَسْقَامِ“۔

”اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں برص سے، جنون سے، کوڑھ سے اور بُری بیماریوں سے۔“

● ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ“

”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں درگزر کا، اور دنیا و آخرت میں عافیت کا۔“

● ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَأَهْلِي وَمَالِي“

”اے اللہ! میں تجھ سے درگزر اور عافیت کا سوال کرتا ہوں اپنے دین اور دنیا اور اہل اور مال کے بارے میں۔“

● ”اللَّهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِي وَآمِنْ رَوْعَاتِي، وَاحْفَظْنِي مِنْ بَيْنِ يَدَيْ وَمِنْ خَلْفِي وَعَنْ يَمِينِي، وَعَنْ شِمَالِي وَمِنْ فَوْقِي وَأَعُوذُ بِعَظَمَتِكَ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِي“

”اے اللہ! میرے عیوب کو چھپا دے، اور مجھے خوف سے محفوظ رکھ اور میری حفاظت کر میرے سامنے، پیچھے اور دائیں بائیں اور اوپر سے اور تیری عظمت کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں نیچے سے بہکایا جاؤں۔“

● ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي وَجَهْلِي وَإِسْرَافِي فِي أَمْرِي وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي“

”اے اللہ! میری خطا، نادانی، اور میرے کام میں میری زیادتی کو بخش دے! جو کچھ بھی تو میری طرف سے جانتا ہے۔“

● ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي جِدِّي وَهَزْلِي وَخَطِيئِي وَعَمْدِي، وَكُلَّ ذَلِكَ عِنْدِي“

”اے اللہ! میری حقیقت، مذاق، خطا اور ارادے کو بخش دے، اور یہ سب میری ہی طرف سے ہے۔“

● ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“

”اے اللہ! معاف کر دے جو کچھ میں نے پہلے کیا اور بعد میں کیا، اور جو کچھ خفیہ کیا اور جو کچھ علانیہ کیا اور جس کو تو مجھ سے بہتر جانتا ہے تو ہی آگے کرنے والا ہے اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔“

● ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الثَّباتَ فِي الْأَمْرِ، وَالْعَزِيمَةَ عَلَى الرُّشْدِ وَأَسْأَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ وَأَسْأَلُكَ قَلْبًا سَلِيمًا وَلِسَانًا صَادِقًا وَأَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَ أَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ إِنَّكَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ“

”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کام میں ثابت قدمی کا اور ہدایت پر استقلال کا، اور تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری نعمت پر شکر کا اور تیری عبادت اچھی طرح کرنے کا، تجھ سے سوال کرتا ہوں قلب سلیم کا اور سچی زبان کا، اور سوال کرتا ہوں اس بھلائی کا جس کو تو جانتا ہے اور تیری پناہ چاہتا ہوں اپنی اس برائی سے جس کو تو جانتا ہے اور مغفرت چاہتا ہوں تجھ سے اس بُرائی کی جس کو تو جانتا ہے بے شک تو ہی غیب کا جاننے والا ہے۔“

● ”اللَّهُمَّ رَبِّ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ، عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي وَ أَذْهَبْ غَيْظَ قَلْبِي، وَ

أَعِزَّنِي مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ مَا أَبْقَيْتَنِي .

”اے اللہ! نبی کریم ﷺ کے رب! میرے گناہ بخش دے، اور میرے دل کے غصے کو دور کر دے اور گمراہ کن فتنوں سے مجھے بچا جب تک تو مجھ کو زندہ رکھے۔“

● ”اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَوَاتِ وَرَبَّ الْأَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوَى مُنْزِلَ التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ، أَعُوذُ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ اقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ وَأَغْنِنِي مِنَ الْفَقْرِ.“

”اے اللہ! آسمانوں اور زمینوں کے رب اور عرش عظیم کے رب! ہمارے اور ہر چیز کے رب! دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والے! تورات، انجیل اور قرآن کو اتارنے والے! میں ہر چیز کی بُرائی سے پناہ چاہتا ہوں، تو ہی اس کی پیشانی کو پکڑنے والا ہے تو اول ہے تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں اور تو آخر ہے تیرے بعد کوئی چیز نہیں ہے، اور تو ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں، اور تو باطن ہے تیرے سوا کوئی چیز نہیں، میری طرف سے قرض ادا کر دے اور مجھے فقر سے بے نیاز کر دے۔“

● ”اللَّهُمَّ اعْطِ نَفْسِي تَقْوَاهَا وَرَكَّهَا أَنْتَ خَيْرُ مَنْ رَكَّاهَا أَنْتَ وَلِيِّهَا وَمَوْلَاهَا.“

”اے اللہ! عطا کر میرے نفس کو اس کی پرہیزگاری اور اس کو صاف کر دے، تو ہی سب سے اچھا اس کو صاف کرنے والا ہے تو ہی اس کا ولی اور مولیٰ ہے۔“

● ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْهَرَمِ وَالْبُخْلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ.“

”اے اللہ! تیری پناہ چاہتا ہوں مجبوری اور سستی سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں بزدلی، بڑھاپے اور بخل سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں عذاب قبر سے۔“

● ”اللَّهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ أَعُوذُ بِعِزَّتِكَ أَنْ تُضِلَّنِي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، أَنْتَ الْحَيُّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَالْجَنُّ وَالْإِنْسُ يَمُوتُونَ.“

”اے اللہ! میں تیرے لئے فرمانبردار ہوا اور تیری ذات پر ایمان لایا اور تیرے اوپر بھروسہ کیا اور تیری طرف رجوع ہوا، اور تیرے سہارے لڑا۔ میں پناہ چاہتا ہوں تیری عزت کی کہ تو مجھے گمراہ کر دے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو زندہ ہے مرے گا نہیں جب کہ جن و انسان مر جائیں گے۔“

● ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ، وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ، وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ، وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا يُسْتَجَابَ لَهَا“.

”اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے اور اس قلب سے جو خوف نہ کھائے اور اس نفس سے جو آسودہ نہ ہو اور اس دعا سے جو قبول نہ کی جائے۔“

● ”اللَّهُمَّ جَنِّبْنِي مُنْكَرَاتِ الْأَخْلَاقِ وَالْأَعْمَالِ وَالْأَهْوَاءِ وَالْأَذْوَاءِ“.

”اے اللہ! مجھ کو برے اخلاق اور برے اعمال، اور بُری خواہشات اور بیماریوں سے بچا۔“

● ”اللَّهُمَّ اَلْهَمْنِي رُشْدِي وَاعْزِزْنِي مِنْ شَرِّ نَفْسِي“

”اے اللہ! مجھے میری ہدایت کی خبر کر، اور مجھے میرے نفس کے شر سے بچا۔“

● ”اللَّهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ، وَأَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ“.

”اے اللہ! میری کفایت کر اپنے حلال کے ذریعہ اپنے حرام سے اور اپنے فضل سے اپنے ماسوا سے مجھے بے نیاز کر دے۔“

● ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدَى وَالتُّقَى وَالْعَفَافَ وَالْغِنَى“.

”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ہدایت کا، اور پارسائی اور پاکدامنی و بے نیازی کا۔“

● ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدَى وَالسَّدَادَ“.

”اے اللہ! میں سوال کرتا ہوں ہدایت و درستگی کا۔“

● ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ، وَمَالَمْ أَعْلَمْ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهِ عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَالَمْ أَعْلَمْ وَأَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا أَسْأَلُكَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ ﷺ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَكَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ ﷺ“.

”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ہر بھلائی کا جلد آنے والی اور دیر میں آنے والی جس کو میں نے جانا اور جس کو نہیں جانا۔ تیری پناہ چاہتا ہوں ہر برائی سے جلد آنے والی اور دیر میں آنے والی، جس کو میں نے جانا اور جس کو نہیں جانا۔ تجھ سے سوال کرتا ہوں اس بھلائی کا جس کو تیرے بندے اور نبی محمد ﷺ نے مانگا، اور تیری پناہ چاہتا ہوں اس چیز کی برائی سے جس سے تیرے بندے اور نبی محمد ﷺ نے پناہ مانگی۔“

● ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ

إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ، وَأَسْأَلُكَ أَنْ تَجْعَلَ كُلَّ قَضَاءٍ قَضَيْتَهُ لِي خَيْرًا“۔
 ”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں جنت کا، اور اس عمل یا قول کا جو جنت کی طرف قریب کرے اور تجھ سے سوال کرتا ہوں اس بات کا کہ ہر فیصلے کو جو تو نے میرے لئے مقرر کیا ہے اس کو بھلا و بہتر کر دے۔“

● ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“۔

”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے ملک ہے اور اسی کے لئے سب تعریف وہی زندہ کرتا ہے وہی مارتا ہے اسی کے ہاتھ میں بھلائی ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔“

● ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ“۔
 ”پاک ہے اللہ اور سب تعریف اللہ کے لئے ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے اور نہ کوئی زور ہے نہ قوت مگر اللہ بلند عظمت والے کے پاس۔“

● ”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ“۔

”اے اللہ! درود بھیج محمد ﷺ پر اور آل محمد پر جس طرح تو نے درود بھیجا ابراہیم (علیہ السلام) پر، بے شک تو قابل تعریف بزرگی والا ہے۔ اور برکت نازل کر محمد ﷺ اور آل محمد پر، جس طرح تو نے برکت نازل کی ابراہیم اور آل ابراہیم پر۔ بیشک تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔“

● ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾
 ”اے ہمارے رب! ہمیں عطا کر دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔“

(ماخوذ از: حج، عمرہ اور زیارت کتاب و سنت کی روشنی میں)

رمضان المبارک احتساب نفس کا مہینہ

عبدالکریم عبدالعلیم
فاضل جامعہ سلفیہ بنارس
بی اے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

اس کائنات کو اللہ رب العالمین نے پیدا کیا اور اس میں مختلف النوع و جنس مخلوقات کی تخلیق کی، انہی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ”انسان“ ہے، اگر ہم اس کائنات کی تخلیق اور اس کے مقصد کے بارے میں غور کریں تو ہم پر بہت سارے حقائق کا انکشاف ہوگا، انسان صرف اپنی تخلیق کے بارے میں غور کرے کہ اللہ رب العالمین نے اسے پیدا کیا اور اسے عقل سلیم جیسی عظیم نعمت سے نوازا تا کہ وہ اس کے ذریعہ اللہ رب العزت کی بندگی کرے اور اس کی نعمتوں کا شکریہ بجالائے۔

اللہ رب العالمین کی نعمتوں کا شکریہ ہر حال میں ہر انسان کو کرنا چاہئے لیکن انسان ان نعمتوں کی قدر و قیمت کو محسوس نہیں کرتا اور جب اللہ رب العالمین ہماری کوتاہ عمل کے سبب وہ نعمتیں ہم سے سلب کر لیتا ہے تب ہمیں اس کی قدر و قیمت محسوس ہوتی ہے، اللہ رب العزت کے عذاب کی کیا شکل ہو سکتی ہے ہم گمان بھی نہیں کر سکتے اور شاید کہ سوائن فلو (Swine Flue) جیسا کہ ہم ملاحظہ کر رہے ہیں، ایک ایسا مرض جو ساری دنیا میں مہماری اور ہنگامہ برپا کئے ہوئے ہے، اللہ رب العزت کا عذاب ہو سکتا ہے، (نعوذ باللہ من ذلک) لیکن ہم ہیں کہ اب بھی ہمیں اس کا احساس نہیں، روزانہ صبح اخبار پڑھتے اور اس پر تبصرے بازی میں مشغول ہو جاتے ہیں، اس کے اسباب کے بارے میں غور نہیں کرتے، نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں یہ پیش گوئی فرمائی تھی کہ جب کبھی کسی قوم کے اندر فواحش کا دور دورہ ہوگا، زنا کاری اور بدکاری بالکل عام ہوگی تو اللہ رب العالمین اس قوم کے اندر ایسی ایسی بیماریاں پیدا کر دے گا کہ جس کا نام نشان بھی اس سے پہلی کی قوموں میں نہ تھا، ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے اعمال کا محاسبہ کریں اور جہاں تک ہو سکے اللہ رب العالمین کے انعامات اور فضل و کرم کا شکریہ بجالائیں۔

اللہ رب العزت کا بہت بڑا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں معاشرہ میں رہنے کا عادی بنایا، اگر کوئی شخص معاشرہ و سوسائٹی سے کٹ کر بیابانوں اور جنگلوں میں زندگی گزارنا چاہے تو وہ نہیں گزار سکتا، جب انسان معاشرہ میں رہنا پسند کرتا ہے اور وہ اس کے علاوہ کہیں رہ بھی نہیں سکتا تو لازمی ہے اس کا سابقہ معاشرہ کے دوسرے افراد سے پڑے، کیونکہ بغیر دوسرے سے

ملے کسی کی ضروریات و حاجتیں پوری نہیں ہو سکتیں، تو ہمیں غور کرنا چاہئے کہ جب ہماری ضروریات کی تکمیل بغیر کسی دوسرے سے ملے ممکن ہی نہیں تو ہم اپنے اخلاق و اطوار کو ایسا بنائیں کہ معاشرہ میں ہمیں عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور ہماری باتوں کو دوسرے تسلیم کریں اور تب ہی ہوگا جب ہم دوسروں کو ان کا حق دیں گے، نیز ہم کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جس سے معاشرہ کی شیرازہ بندی متاثر ہو، جب ہمارے اندر باہمی ہمدردی اور تعاون کا جذبہ ہوگا تو ہمارا معاشرہ ترقی کرے گا اور ہم ایک خوشگوار زندگی کی طرف گامزن ہوں گے، چنانچہ اسلامی تعلیمات قدم قدم پر ہماری رہنمائی کرتی ہے اور ایک اچھے اور خوشگوار ماحول بنانے کے لئے باہمی اخوت و محبت کو نبی کریم ﷺ نے ان الفاظ میں اجاگر کیا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”حق المسلم علی المسلم ست: اذا لقیته فسلم علیہ، واذا دعاک فأجبہ، واذا استنصحتک فانصحت له، واذا عطش فحمد اللہ فشمتہ، واذا مرض فعده، واذا مات فاتبعہ۔“ (متفق علیہ)

یعنی ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر چھ حق ہے: (۱) جب تم اس سے ملو تو سلام کرو، (۲) اور جب وہ تم کو دعوت دے تو اس کی دعوت کو قبول کرو، (۳) جب تم سے نصیحت طلب کرے (مشورہ کرے) تو تم اس کو نصیحت کرو، (۴) اور جب اس کو چھینک آئے تو اس کی چھینک کا جواب دو، (۵) اور جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کے لئے جاؤ، (۶) اور جب وہ انتقال کر جائے تو اس کے جنازہ میں جاؤ۔

یہ تو ایک عام تعلیم ہے لیکن اس کے علاوہ والدین کے حقوق، بیوی بچوں کے حقوق، راہ گروں کے حقوق اور پڑوسیوں کے حقوق کی طرف بھی نبی کریم ﷺ نے ہماری توجہ مبذول کرائی ہے، چنانچہ پڑوسیوں کے حقوق کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”واللہ لا یؤمن، واللہ لا یؤمن، واللہ لا یؤمن“ یعنی تین بار نبی کریم ﷺ نے قسم کھا کر کہا کہ اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا تو آپ سے دریافت کیا گیا کہ کون اے اللہ کے رسول ﷺ تو آپ نے ارشاد فرمایا: جس کا پڑوسی اس کی ایذا رسانی سے محفوظ نہ رہے۔

ہمیں اس حدیث پر غور کرنا چاہئے کہ نبی کریم ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا کہ وہ شخص مومن نہیں جس کا پڑوسی اس کی تکلیف و ایذا رسانی سے محفوظ نہ ہو، لہذا ہم اگر اس کے مصداق ٹھہرتے ہیں تو ہمیں اپنے کرتوتوں سے توبہ کرنی چاہئے اور یہ بات بھی ہمارے ذہن میں ہونی چاہئے کہ کسی کے حق کو مارنا یہ ظلم ہے اور حقوق العباد کا معاملہ ہے اور حقوق العباد جب تک صاحب معاملہ سے معافی اور معذرت کے ذریعہ معاف نہ کرایا جائے گا وہ ہمارے گلے کا طوق ہوگا اور اس کی معافی نہیں ہوگی۔

ایک مسلمان و مومن شخص اگر اللہ رب العالمین کے ان فرمودات پر غور کرے تو وہ ہرگز ایسے قدم نہ اٹھائے گا کہ جس سے کسی کو تکلیف ہو، بلکہ وہ ہمیشہ یہ چاہے گا کہ ہر نقل و حرکت اس کے لئے باعث اجر و ثواب ہو، کیونکہ اس کے مد نظر ابدی زندگی ہے اور وہ اس کی تیاری میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہیں کرنا چاہتا جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ، وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ، وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ، لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ، أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾ یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ لے کہ کل قیامت کے واسطے اس نے اعمال کا کیا ذخیرہ بھیجا ہے اور ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے، اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے اللہ (کے احکام) کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی انہیں اپنی جانوں سے غافل کر دیا اور ایسے لوگ ہی نافرمان اور فاسق ہوتے ہیں، اہل نار اور اہل جنت برابر نہیں، جو اہل جنت ہیں وہ کامیاب ہیں اور جو اہل نار ہیں وہ ناکام ہیں۔

اس آیت کریمہ پر اگر ہم غور کریں تو دیکھیں گے کہ اللہ رب العالمین نے ایمان والوں کو مخاطب کر کے اپنا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، اور پھر آگے چل کر اسی تقویٰ کو دوبارہ ذکر کیا ہے، رمضان المبارک کے روزوں کا مقصد بھی اسی تقویٰ کو قرار دیا گیا ہے اور تقویٰ کہتے ہیں اللہ نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے اسے بجالائیں، جن سے روکا ہے ان سے رک جائیں، ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ رب العزت کے اوامر کو بجالائیں اور اس کے نواہی سے اجتناب کریں، اللہ ہمیں اس کی توفیق دے، آمین۔

دوسری آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگاہ کیا کہ ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو دنیوی لذات میں گم ہو کر آخرت کی یاد سے غافل ہو جاتے ہیں، ذرا سی گرمی بڑھی تو لوگ اس کے پیچھے پریشان، کوئی ایر کنڈیشن کے انتظام میں جٹ جاتا ہے تو کوئی سیر و تفریح کے لئے ٹھنڈی جگہوں کی طرف رخت سفر باندھنا پسند کرتا ہے لیکن گرمی کی زیادتی کے اسباب پر غور نہیں کرتے، نبی کریم ﷺ صحیحین کی ایک روایت میں ارشاد فرماتے ہیں: "أَشْتَكُ النَّارَ الَّتِي رُبَّهَا فَقَالَتْ: يَا رَبِّ أَكُلُ بَعْضُنَا بَعْضًا، فَجَعَلَ لَهَا نَفْسَيْنِ، نَفْسٌ فِي الشِّتَاءِ وَنَفْسٌ فِي الصَّيْفِ، فَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الْبَرْدِ مِنْ زَمِيرِهَا، وَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الْحَرِّ مِنْ سَمُومِهَا" (متفق علیہ) یعنی جہنم نے اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں شکایت کی، کہا کہ میرے بعض نے میرے بعض حصے کو کھا لیا (شدت کی وجہ سے) تو اللہ رب العالمین نے اسے دو مرتبہ سانس لینے کی اجازت دی، ایک سانس ٹھنڈک میں اور ایک گرمی کے موسم میں تو تم جو سخت ٹھنڈک محسوس کرتے ہو تو وہ

جہنم کی ٹھنڈک ہے (اس کے سانس لینے کی وجہ سے) اور سخت گرمی محسوس کرتے ہو وہ بھی اس کے سانس لینے کی وجہ سے ہے۔ اس حدیث نبوی پر غور کرنے سے ہمیں بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ سخت گرمی اور سخت سردی کے اسباب کیا ہیں، اور اس کے تئیں ہمارا طریقہ عمل کیا ہونا چاہئے، ہمیں زیادہ سے زیادہ آخرت کی یاد کرنی چاہئے اور اس ابدی و سرمدی زندگی کی تیاری کے لئے کوشاں رہنا چاہئے۔

آج کل انسان تن آسانی کا شکار ہو گیا ہے، وہ یہ چاہتا ہے کہ جتنا آرام اس کو ملنا ہے اسی دنیوی زندگی میں مل جائے اور وہ عیش و عشرت کے ساتھ دنیوی زندگی کے ایام گزار لے، اس کو ابدی زندگی کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔

نبی کریم ﷺ کے اس فرمان پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ: ”یؤتی بأَنعم أهل الدنيا يوم القيامة من أهل النار فيصبغ في النار صبغة ثم يقال: يا ابن آدم هل رأيت خيرا قط، هل مر بك نعيم قط؟ فيقول: لا والله يا رب ويؤتى بأشد الناس بؤسا في الدنيا من أهل الجنة، فيصبغ صبغة في الجنة فيقال له: هل رأيت بؤسا قط، هل مر بك شدة قط فيقول: لا والله يا رب ما مر بي بؤس قط، ولا رأيت شدة قط“۔ (رواہ مسلم)

یعنی نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن جہنمیوں میں سے اس شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں نعمتوں کے بیچ رہا، ہر طرح کے آرام و آرائش کی زندگی گزاری اور اس کو جہنم میں تھوڑی ہی دیر کے لئے ڈالا جائے گا، پھر پوچھا جائے گا کبھی خوشحالی اور آسودگی تم کو میسر ہوئی ہے تو وہ انکار کر دے گا، کہے گا کہ اے میرے پروردگار تیری قسم کبھی مجھے خوشحالی اور آسودگی میسر نہیں ہوئی ہے، اس کے برعکس دنیا کے ایک پریشان حال شخص کو جو جہنمیوں میں سے ہوگا اسے لایا جائے گا اور اس کو جنت میں ایک غوطہ دیا جائے گا اور پھر اس سے دریافت کیا جائے گا کہ کبھی تم نے پریشانی و مصیبت کا سامنا کیا ہے تو وہ سرے سے انکار کر دے گا اور قسم کھا کر کہے گا کہ اے پروردگار کبھی میرے پاس سے کوئی پریشانی و مصیبت نہیں گزری اور کبھی مجھے کسی مصائب و آلام کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

ہمیں غور کرنا چاہئے کہ کہیں ہم اس سرسبز و شاداب دنیوی زندگی میں گم ہو کر آخرت سے غافل نہ ہو جائیں، اس لئے کہ یہ دنیوی زندگی اس ابدی و سرمدی زندگی کی کھیتی ہے، جیسے اعمال ہم اس دنیا میں کریں گے اسی کے مطابق ہمیں اس کا بدلہ ملے گا، لہذا ہمیں نبی کریم ﷺ کے اس فرمان پر بھی غور کرنا چاہئے کہ ”من أصبح منكم معافى في جسده أمانا في سريره وعند قوت يومه فقد حيزت له الدنيا“ (الترمذی) یعنی جس نے صبح کی اس حالت میں کہ جسمانی اعتبار

سے صحیح سالم رہا اپنے پناہ گاہ میں مطمئن و مامون رہا اور اس کے پاس اس دن کی غذا بھی موجود ہے تو گویا کہ دنیا کی تمام نعمتیں اس کے لئے اکٹھا کر دی گئی ہیں۔

لیکن آج کا انسان حریص و لالچی اور مادہ پرست ہو گیا ہے، وہ صرف مال و متاع کو اکٹھا کرنے میں لگا رہتا ہے، یہ غور نہیں کرتا کہ کہیں ہماری کمائی میں حرام کی آمیزش تو نہیں جس کی پاداش میں ہم کساد بازاری سے جو بھرہ ہیں، اس کے اندر اللہ رب العالمین کا خوف و ڈر نہیں ہوتا ہے، اگر انسان کے اندر اللہ رب العالمین کا ڈر ہو، اس کا تقویٰ ہو تو پروردگار کا وعدہ ہے کہ وہ ہر مشکلات سے نکلنے کا راستہ مہیا کرائے گا اور ایسی جگہوں سے روزی عطا فرمائے گا کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے، ”وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ“ یعنی کہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لئے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے، اور ایسی جگہوں سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو۔

لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے آپ کا جائزہ لیں، اپنے نفس کا محاسبہ کریں اور اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کرنے اور لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آنے کا خوگر و عادی بنائیں، نیز جو چیز دل میں کھٹکے، شبہ ہو اسے ترک کر دیں، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”البر حسن الخلق، والاثم ما حاك في نفسك، وكرهت أن يطلع الناس عليه“ (رواہ مسلم)

یعنی لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنا نیکی اور بھلائی کا کام ہے، اور گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے اور تم نا پسند کرو کہ کوئی اسے جانے۔

خلاصہ کلام یہ کہ انسان کو چاہئے کہ اپنی عقل سلیم سے سوچے غور کرے کہ آج جو ہمارا حال ہے وہ کس وجہ سے ہے، اس کے اسباب کیا ہیں، ہر انسان اپنے تئیں پریشانیوں اور مشکلات میں گھرا ہوا ہے رمضان المبارک کے اس بابرکت مہینہ میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور اس کے اصلاح کی کوشش کرے اس لئے کہ روزہ بھوک و پیاس کا ہی نام نہیں بلکہ نفس کی اصلاح اور اس کے تزکیہ کا نام ہے، اللہ رب العزت سے توبہ و استغفار کرے، قبل اس کے کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے۔

اللہ ہمیں اس کی توفیق دے، آمین۔

موطأ امام مالک کی ایک روایت کی تخریج میں محقق کی غلطی اور علامہ البانی رحمہ اللہ کی اس پر تنبیہ

محمد ریحان الطاف حسین سلفی

استاذ مدرسہ احمدیہ سلفیہ، آرہ

محدث عصر علامہ البانی رحمہ اللہ کا نام گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں آپ وقت کے نامور محدث اور فقیہ تھے، آخری سانس تک آپ نے حدیثی خدمات کے لئے اپنے کو وقف رکھا، حدیث کی بے شمار کتابوں کی ورق گردانی کر کے تحقیق و تنقیح کی ایسی گرانقدر خدمات انجام دیں جن کی ماضی قریب میں کوئی نظیر نہیں ملتی، اللہ تعالیٰ موصوف کی خدمات کو قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں ان کا ٹھکانہ بنائے، آمین۔

چند مہینے قبل راقم کو اپنے سابقہ جائے عمل ”مدرسہ صراط مستقیم، جنوبی کرناٹک، کی لائبریری میں علامہ البانی کا ایک مقالہ پڑھنے کو ملا جو ”نصوص حدیثیة فی الثقافة العامة“، جمع و تصنیف: محمد المنتصر الکتانی، استاذ الحدیث، نامی کتاب کی تنقید پر مشتمل ہے۔ علامہ البانی کا یہ مقالہ کتابی شکل میں طبع ہونے سے پہلے عربی مجلہ ”التمدن الاسلامی“ کے عدد (۳۳) و (۳۴) میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

علامہ البانی نے اس مقالہ کے اندر ضمناً ایک ایسا واقعہ قلمبند کیا ہے، جو انہی کے ساتھ پیش آیا تھا، اس واقعہ کو علمی لطیفہ کا نام دیا جاسکتا ہے، اہم بات یہ ہے کہ اس واقعہ سے علامہ کو ”موطأ امام مالک“ کی ایک حدیث کی تخریج میں شیخ محمد فؤاد عبدالباقی کی سہو کا علم ہوتا ہے۔ آئندہ سطور میں اسی سہو کی وضاحت کے لئے اس علمی لطیفہ کو علامہ البانی کی تحریر کی روشنی میں بیان کیا جائے گا۔ لیکن اس سے پہلے اس بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ مشارالیه سہو غلطی پر علامہ نے ۱۳۸۷ھ سے قبل ہی متنبہ کیا ہے، کیونکہ علامہ کا زیر بحث مقالہ کتابی شکل میں طبع ہونے سے قبل مجلہ ”التمدن الاسلامی“ میں شائع ہوا تھا، اور اسی مقالہ کو کتابی شکل دیتے وقت علامہ نے جو مقدمہ تحریر کیا ہے اسی پر ۱/ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ کی تاریخ درج ہے، اس کے باوجود اب تک اس غلطی کی تصحیح نہیں کی گئی ہے، حالانکہ راقم کے سامنے ”موطأ امام مالک“، تحقیق محمد فؤاد عبدالباقی کا جو

ایڈیشن ہے وہ دکتور مصطفیٰ محمد الذہبی کے اشراف میں دارالحدیث ”قاہرہ“ سے ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۰۰۵ء میں طبع ہوا ہے۔ مزید یہ کہ مشرف مذکور نے مقدمہ کے تحت اس طباعت کی خصوصیات میں یہ بھی تحریر کیا ہے: ”وہی طبعة لم یبخل بشئ من الوقت والجهد فی ضبطها و مراجعتها، سہاماً فی نشر کتب السنة“ یعنی یہ ایسا ممتاز ایڈیشن ہے کہ ہم کتب حدیث کی اشاعت کے مقصد سے اس کے مراجعہ اور تحقیق میں کسی قسم کی بخالت سے کام نہیں لیا ہے، لیکن طرہ یہ کہ اس ممتاز ایڈیشن میں زیر بحث غلطی کی تصحیح نہیں کی گئی ہے۔

☆ نصوص حدیثیہ.....“ نامی کتاب کی غلطیوں کی وضاحت اور تنقید کے لئے علامہ نے اپنے تنقیدی مقالہ ”نقد نصوص....“ میں کئی سرخیاں قائم کی ہیں، تیسری سرخی اس طرح ہے:

”۳- عزوہ الحدیث لبعض السنن، وهو فی ’الصحيحین‘ أو أحدهما وإليك الأمثلة“ یعنی مصنف کا صحیحین یا ان میں سے کسی ایک کتاب میں موجود حدیث کو کتب سنن کے حوالہ سے بیان کرنا، علامہ البانی نے اسی کے بعد ”الحدیث الثانی“ کے تحت اصل کے ص: ۱۸ سے درج ذیل حدیث نقل کر کے اس کی صحیح تخریج درج کی ہے۔

الحدیث الثانی (ص: ۱۸): ”عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال يوماً: ”أتدرون ما الغيبة؟ قالوا: الله ورسوله أعلم، قال ذكر احدكم أخاه بما يكره، فقال رجل: أرأيت إن كان في أخى ما أقول؟ قال: إن كان فيه ما تقول فقد اغتبتته، وإن لم يكن فيه ما تقول فقد بهتته“۔ أخرجه أبو داود والترمذی۔

علامہ البانی نے مذکورہ حدیث کی تخریج پر اپنا کلام یوں درج کیا ہے: ”قلت: هو فی صحيح مسلم، فی البرو الصلة والآداب (۲۱/۷) من طریق العلاء بن عبد الرحمن بن يعقوب عن أبيه عن أبي هريرة به، ورواه مالك في ”الموطأ“ ((۱۰/۷۸۹/۲) تحقیق محمد فؤاد عبدالباقی) عن المطلب بن عبد الله بن خطب المخرومی مرسلًا۔“

اس مواخذہ سے علامہ کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ مصنف کے لئے ضروری تھا کہ وہ حدیث مذکور کو صحیح مسلم کے حوالہ سے نقل کرتے؟ کیونکہ اس سے قاری کو صحت حدیث کے تعلق سے (یقینی) فائدہ ملتا، نیز اس وہم کی بھی تردید ہوتی کہ یہ حدیث صحیحین یا ان میں سے کسی میں موجود نہیں ہے، جیسا کہ مصنف کی تخریج سے متبادر ہوتا ہے۔

اس کے بعد علامہ تحریر فرماتے ہیں: اس موقع پر ایک واضح غلطی پر تنبیہ کرنا ضروری ہے جو محقق مذکور (شیخ محمد فؤاد عبدالباقی) سے اس اثر کی تخریج میں صادر ہوئی ہے جس کو امام مالک نے مذکورہ حدیث ابو ہریرہؓ سے پہلے والے باب میں

ذکر کیا ہے، وہ اثر درج ذیل ہے: ”مالك أنه بلغه أن عيسى ابن مريم كان يقول: لا تكثروا الكلام بغير ذكر الله فتفسدوا قلوبكم فان القلب القاسي بعيد من الله، ولكن لا تعلمون- ولا تنظروا في ذنوب الناس كأنكم أرباب، وانظروا في ذنوبكم عبید، فإنما الناس مبتلى و معافی، فارحموا اهل البلاء، واحمدوا الله على العاقبة“۔^۱

اس اثر کے تحت محقق فوؤد عبدالباقیؒ کا تخریجی حاشیہ ملاحظہ کریں، ”مرسل، وقد وصله العلاء بن عبد الرحمن بن يعقوب عن أبيه عن أبي هريرة، أخرجه مسلم في (۴۵) كتاب البر والصلة والآداب (۲۰)، باب تحريم الغيبة، حديث (۷۰)۔

علامہ الباقیؒ آگے رقمطراز ہیں: جب میں نے مشارالیه حدیث و باب کو ”موطأ“ میں دیکھا تو یہ بات میرے اوپر واضح ہو گئی کہ محقق کے اس تخریجی حاشیہ سے یقینی طور پر ان کے مراد غیبت کے بارے میں مذکور، مذکورہ حدیث ابوہریرہؓ ہے۔ اور اس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ قول سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

سوالیہ انداز میں علامہؒ لکھتے ہیں: اس غلطی کا وقوع کیوں کر ہوا؟ میرا خیال ہے۔ واللہ اعلم۔ کہ محقق محمد فوؤد عبدالباقیؒ (رحمہ اللہ) نے اس تخریج کے کارڈ کو ”مطلب“ کی (غیبت سے متعلق) مذکورہ حدیث کے ساتھ رکھا ہوگا، جسے امام مالکؒ نے مرسل روایت کی ہے، تا کہ اسی کے تحت اس تخریج کی طاعت ہو سکے، لیکن طالع نے غلطی سے اس تخریج کو عیسیٰ علیہ السلام کے قول کی تخریج میں شامل کر دیا اور پروف ریڈر پر واضح نہیں ہو سکا۔ البتہ یہ بھی مستبعد نہیں ہے کہ اس غلطی کا وقوع خود محقق سے ہوا ہو۔ اس لئے کہ ان کا شمار علمائے حدیث میں نہیں ہوتا ہے، نہ ہی وہ حافظ حدیث تھے، بلکہ صرف فہرست ساز تھے۔ اور ہر وہ شخص جو آخر جہ فلان، یا ”روی فلان“ کہتا (لکھتا ہو) محدث نہیں ہو سکتا۔

علامہ الباقیؒ آگے تحریر فرماتے ہیں، مذکورہ غلطی پر میرے مطلع ہونے کا جو واقعہ سبب بنا وہ ایک افسوس ناک لطیفہ سے کم نہیں ہے، اس کے اندر موجود عبرت کی وجہ سے اسے یہاں بیان کیا جا رہا ہے۔

چند سال پیشتر کی بات ہے، پیشہ ور مفسروں میں سے ایک صاحب نے جو دمشق کی ایک مسجد میں خطیب تھے، مجھ سے ذکر کیا کہ اس نے کتب حدیث سے کچھ حدیثیں منتخب کر کے کتابی شکل میں جمع کیا ہے اور اس کی طاعت کے لئے اس نے بعض

۱۔ الموطأ للإمام مالك، تخریج و تعلیق و ترقیم: محمد فوؤد عبدالباقی۔

ط۔ دار الحديث، القاهرة، سن الطبع: ۱۴۲۶ھ = ۲۰۰۵م۔ كتاب الكلام، باب ما يكره من الكلام بغير ذكر الله، حديث نمبر ۸، اور اس حدیث کے تحت محقق کا حاشیہ ملاحظہ کریں۔

اصحاب خیر سے تعاون کی درخواست کی ہے، لیکن اس صاحب خیر نے (اس کے بقول) یہ شرط رکھی ہے کہ اگر استاذ ناصر الدین البانی کتاب کی طباعت سے اتفاق کریں تو وہ صاحب خیر تعاون کر سکتا ہے، پھر اس خطیب نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اس کے لئے ایک موافقتی تحریر لکھ دوں، میں نے عرض کیا کہ کتاب دیکھ بغیر رائے دینا مناسب نہیں۔ کچھ دنوں کے بعد اس نے میرے پاس کتاب بھیجی، کتاب دیکھنے کے بعد میں نے اس میں بہت سے قابل گرفت امور پائے، خاص طور پر یہی مذکورہ تخریج کی غلطی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ قول کو جسے امام مالکؒ نے بلاغاً روایت کی ہے، صحیح مسلم کی طرف منسوب کر کے اسے حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت قرار دیا گیا ہے۔

میں نے کتاب مذکور کے بارے میں اپنی رائے بتانے کے لئے خطیب موصوف سے ٹیلی فون پر گفتگو کی اور خاص طور پر مذکورہ غلطی کے تعلق سے میں نے اس سے دریافت کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول صحیح مسلم کے اندر ہے، یہ بات تم نے کہاں سے کی ہے۔ تھوڑی دیر خاموشی کے بعد اس نے جواب دیا کہ تھوڑا انتظار کریں میں کتاب دیکھ کر بتاتا ہوں۔ پھر اس نے جو جواب دیا۔ اس کی قیامت خیزی کا کیا کہنا۔ وہ ملاحظہ ہو:

امام مالکؒ نے خود ہی اس روایت کی نسبت صحیح مسلم، کتاب البر والصلة..... کی طرف کی ہے، میں نے عرض کیا: اسے شیخ: کیا کہتے ہو، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ امام مالکؒ اور امام مسلمؒ کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ امام مسلمؒ تو امام مالکؒ کے بہت بعد کے ہیں.....

سنو! امام احمد، امام مسلم کے استاذ، امام احمد کے استاذ امام شافعی اور امام شافعی کے استاذ امام مالک ہیں، تو پھر امام مالکؒ کیوں کر کسی حدیث کی نسبت امام مسلمؒ کی صحیح کی طرف کر سکتے ہیں، میری اس گرفت کے بعد وہ حیرانی کے ساتھ کچھ دیر خاموش رہا، پھر اس نے کچھ باتیں کی جن کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ بات امام مالکؒ نے خود موطا میں لکھی ہے۔ اخیر میں یہ کہہ کر میں نے گفتگو بند کی کہ ایسا محال ہے، اور میں تحقیق امر کے بعد۔ ان شاء اللہ۔ تم کو اصل حقیقت سے آگاہ کروں گا۔

اس کے بعد فوراً میں ”مکتبہ ظاہریہ“ آیا اور محمد فواد عبدالباقی (رحمہ اللہ) کی تحقیق کے ساتھ مطبوع ’موطأ‘ نکال کر محولہ ۵ صفحہ کا مطالعہ کیا تو صورت حال واضح ہو گئی۔ ۱۔ (جس کی تفصیل گزر چکی ہے)



۱۔ علامہ البانیؒ کی مکمل عربی تحریر کے لئے ملاحظہ ہو:

”نقد نصوص حدیثیة فی الثقافة العامة“ جمع و تصنیف: محمد المنتصر الکتانی، استاذ الحدیث، للعلامہ الألبانیؒ ص: ۳۷-۳۹ او ر مجله ’التمدن الإسلامی‘ عدد (۳۳) و (۳۴)

ہم جنسی و بد فعلی اور تعلیمات مذاہب

ابوالقاسم عبدالعظیم

ہمالشقاۃ والا اعلام، منو

کسی نامعقول غیر فطری عمل کو جائز ٹھہرانے کے لئے اندھی عقل کے لوگوں نے ہمیشہ رکیک اور باطل تاویلات کا سہارا لیا ہے، روزنامہ راشٹریہ سہارا وغیرہ نے مہینوں سے اس سلسلے میں کئی اچھے مقالے، مراسلے اور احتجاجی تحریریں شائع کی ہیں، لواطت، ہم جنس پرستی، اغلام بازی، جانوروں کے ساتھ بد فعلی، اور بیوی کے ساتھ خلاف فطرت سُرین یا دُبر میں مجامعت نامعقول اور انسانیت سوز عمل ہیں، مذاہب ثلاثہ (اسلام، یہودیت اور عیسائیت) میں ان پر سخت نکیر وارد ہوئی ہے، ذیل میں ہم تینوں مذاہب کی مستند تعلیمات پیش کر کے دیگر ہندوستانی مذاہب کے ماہرین اور صاحب بصیرت حضرات سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ ہندو مذہب، بدھ مذہب اور جین مذہب وغیرہ کی مستند تعلیمات بہم پہنچانے کی کوشش کریں تاکہ آئندہ ان سے بھی استفادہ کیا جاسکے۔

اسلامی تعلیمات: قرآن کریم میں کئی جگہ پر مذکور ہے کہ ”دنیا میں ہم جنس پرستی سب سے پہلے قوم لوط نے کی تو بطور عذاب ان پر پتھروں کی بارش ہوئی اور پوری آبادی دھنسا دی گئی“۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کے دور کی بات ہے، بحر میت، بحر مردار، بحر لوط، اوندھا سمندر، بدبودار سمندر سب اسی علاقہ کے نام ہیں، جو اس وقت اردن اور اسرائیل (فلسطین) کے درمیان واقع ہے، توریت و انجیل اور موجودہ بائبل میں سدوم اور عمورہ کے شہروں کی ان آبادیوں پر آگ اور گندھک کا عذاب نازل ہونے اور اسے مقام عبرت بنادینے کا ذکر متعدد مقامات پر وارد ہوا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک روز رسول اللہ ﷺ کو غمزہ دیکھ کر پوچھا: یا رسول اللہ! آپ غمگین کیوں ہیں؟ فرمایا: عائشہ! مجھے خوف ہے کہ میرے بعد میری امت کے لوگ قوم لوط کا عمل کرنے لگیں گے۔ (مصنف عبدالرزاق ۷/ ۳۶۵) حضرت جابر نے مصر جا کر ایک صحابی سے اسی معنی کی حدیث سنی۔ (ذم الہوی ابن الجوزی ۱۹۸)

ابو محمد الدوری کی کتاب ”ذم اللواط“ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ ”آخر زمانہ میں کچھ ایسے

لوگ ہوں گے جن کے رشتے اوندھے ہوں گے، ان کے ساتھ عورتوں کی طرح نکاح رچایا جائے گا، لہذا فاعل و مفعول بہ (کرنے والے اور کرانے والے) دونوں کا قتل کر دینا۔ (ارواء الغلیل للالبانی ۱۸/۸)

محدث ابوالشیخ اور مورخ ابن عساکر نے رسالہ ”تحریم الابنتہ“ میں اور ابن الجوزی نے ذم الھوی میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا ہے کہ: لواطت کرنے والے اوپر اور نیچے کے دونوں شخص کو سنگسار کر دو۔ (ایضاً ۸/۸، ذم الھوی: ۲۰۲)

نیز اسی رسالے میں جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ: ”لواطت کرنے والے شخص کو قتل کر دو“۔ (ایضاً ۸/۸، ذم الھوی: ۲۰۲)

اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر کوئی مرد کسی مرد سے صحبت کرے تو وہ دونوں زنا کار ہیں، اور اگر کوئی عورت کسی عورت سے شہوت رانی کرے وہ دونوں بھی زنا کار ہیں“۔ (ایضاً ۱۶/۸) واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی روایت میں صرف عورتوں کے عمل کا بیان ہے۔ (ذم الھوی: ۲۰۰)

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہم جنس پرست دونوں فاعل و مفعول کو قتل کر دو، کسی جانور سے بد فعلی کرنے والے شخص اور جانور دونوں کو مار ڈالو“۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں: تاکہ اس جانور کے سبب اس کے مالک کو عار نہ دلایا جائے۔ (عبدالرزاق ۳۶۴/۷) لوگوں نے ابن عباسؓ سے پوچھا: بھلا جانور کا کیا قصور؟ فرمایا: میں نے اس بارے میں کوئی حدیث تو نہیں سنا ہے، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس جانور کا گوشت کھانے اور اس سے فائدہ اٹھانے کو مکروہ سمجھا ہے جبکہ اس سے یہ فعل کیا گیا ہو۔ (ابوداؤد ۶۵۶۲-۴۴۶۲، ترمذی ۲۳۵۲، احمد ۲۶۹۱، دارقطنی ۳۴۱-۳۴۲، حاکم ۳۵۵/۴، بیہقی ۳۳۳/۸، ابن ماجہ ۲۵۶۲، ارواء الغلیل ۲۲/۸، المنتخب من مسند عبد بن حمید: ۵۷۵، ذم الھوی لابن الجوزی: ۱۹۷-۱۹۸)

عطاء الخراسانی اور ابن عباسؓ کے بقول رسول اللہ ﷺ نے سات قسم کے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جن میں چھ قسم کے لوگوں پر ایک ایک بار لعنت کی ہے اور ساتویں قسم کے شخص پر تین بار، آپ ﷺ نے جانور کے ساتھ بد فعلی کرنے والے شخص پر ایک بار اور ہم جنس پرست پر تین بار لعنت کی ہے۔ (عبدالرزاق ۳۶۵/۷، بیہقی ۲۳۱/۸، ذم الھوی: ۱۹۷)

قرون اولیٰ میں امام ابو حنیفہ اور امام حاکم کے علاوہ خلفائے راشدین (ابو بکر صدیق، عمر بن الخطاب، عثمان بن عفان اور علی بن ابی طالب) نیز خالد بن ولید، عبد اللہ بن زبیر، عبد اللہ بن عباس، خالد بن زید، عبد اللہ بن معمر، مجاہد، سعید بن

المسیب، حسن بصری، قتادہ، زہری، ابراہیم نخعی، شعبی، ربیعہ الرائی، عطاء بن ابی رباح، ابن جریج، امام مالک، امام شافعی، امام اوزاعی، امام احمد، اسحاق بن راہویہ، امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہ ہم جنسی لواطت اور حیوانی لواطت کرنے والے پر یا تو زنا کا حکم لگاتے، یا اس سے سخت حکم لگایا کرتے تھے، ایسے بدکردار اشخاص پر بدرجہ ادنیٰ سو کوڑے لگانے کا حکم ہوتا یا اسے سنگسار کرنے اور بہر صورت جان سے مار ڈالنے اور قتل کرنے کا حکم ہوا کرتا تھا۔ (عبدالرزاق ۳۶۳/۷-۳۶۶، بیہقی ۲۳۱/۸-۲۳۴، الجواب الکافی ابن القیم: ۲۱۶، ابن ابی شیبہ ۱۲۷، کنز العمال ۴۶۹/۵، نیل الاوطار ۲۸۷/۷، موسوعہ فقہ عثمان ۳۱۴-۳۱۵)

اسی طرح بیوی کے ساتھ غلط اور غیر فطری طریقہ مجامعت اختیار کرنے والے یعنی فرج اور قبیل کے بجائے دُبر اور سُرین میں شہوت رانی کرنے والے کے بارے میں بھی سخت ترین احکام و وعید وارد ہیں:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص عورت کے ساتھ سرین میں مجامعت کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی طرف نظر نہیں کرے گا، نیز فرمایا کہ آپ ﷺ نے اسے ملعون قرار دیا ہے۔ (ابوداؤد ۶۱۸/۲، سنن کبریٰ نسائی ۲۰۰/۸، ابن ماجہ ۶۱۹، عبدالرزاق ۴۴۲/۱۱، ابن ابی شیبہ ۲۵۳/۴، احمد ۱۱۱/۱۳، ۴۱۴/۱۵، ۴۵۷/۱۶، ۱۵۷/۱۷، دارمی ۱/۳۵، شرح معانی الآثار طحاوی ۴۴۳/۳، بیہقی ۱۹۸/۷)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر نہیں کرے گا جس سے جانور سے بد فعلی یا عورت کے ساتھ سرین میں شہوت رانی کی ہو۔ (سنن کبریٰ نسائی ۱۹۷/۸، تلخیص الحجیر ۱۸۱/۳) ایک روایت میں مردانہ و زنانہ لواطت پر یہ وعید آئی ہے۔ (ذم الھوی ۱۹۸) لواطت کرنے والے فاعل و مفعول کی نظر رحمت سے محرومی کا ذکر حدیث انسؓ میں بھی ہے۔ (ذم الھوی ۲۰۷)

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ عورت سے سرین میں مجامعت کو ”لواطت صغریٰ“ سے تعبیر کرتے تھے۔ (عبدالرزاق ۴۴۳/۱۱، ابن ابی شیبہ ۲۵۲/۴، سنن کبریٰ نسائی ۱۹۶/۸، شرح معانی الآثار طحاوی ۴۶۳/۳)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اسے فعل حرام کہا کرتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ ۲۵۲/۴، شرح معانی الآثار طحاوی ۴۶۳/۳، بیہقی ۱۹۹/۷، موسوعہ فقہ عبداللہ بن مسعود: ۲۴۸)

طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: اللہ تعالیٰ حق بات بیان کرنے سے نہیں شرماتا، جب کوئی ہوا خارج کر دے تو وضوء کرے، اور عورتوں سے ان کی سرین میں مجامعت نہ کرو۔ (ابوداؤد ۱۴۱/۱۴۲-۱۴۱، ۶۱۰-۶۱۱،

ترمذی ۴۶۸/۳-۴۶۹، سنن کبریٰ نسائی ۲۰۲/۸-۲۰۳، ابن ابی شیبہ ۲۵۱/۴، شرح معانی الآثار طحاوی ۴۵/۳، ابن حبان (الاحسان) ۸/۶-۹، دارقطنی ۱۵۳/۱، بیہقی ۲۵۵/۲، شرح السنۃ بغوی ۳/۲۷۷-۲۷۸، عبدالرزاق ۴۴۲/۱۱، احمد ۸۲/۲، فتح الباری ۱۹۱/۸، تلخیص الخیر ۱۸۰/۳

حضرت ابو ہریرہ، ابوالدرداء اور ابن عباس رضی اللہ عنہم عورت سے دُبر میں مجامعت کو کفریہ فعل قرار دیتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر کوڑا لگایا ہے، اور سعید بن المسیب اور ابوسلمہ بن عبدالرحمن - رحمۃ اللہ علیہم - اس فعل کو مکروہ بتاتے اور اس سے منع کرتے تھے۔ (عبدالرزاق ۴۴۲/۱۱-۴۴۳)

اہل کتاب کا مذہب: اسلامی تعلیمات کے بیان کے بعد اب ہم یہودی اور عیسائی مذہب کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ توریت و انجیل اور انبیائے نبی اسرائیل کی اس سلسلے میں کیا تعلیمات و ہدایات ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے نزدیک توراۃ و انجیل کی تعلیمات مقدس بائبل کے عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید میں مدون ہیں اور یہ دونوں حصے مختلف و متعدد اسفار و کتب کا مجموعہ ہیں، ذیل میں ان کتابوں کی عبارتیں اور شواہد پیش کرنے سے پہلے احادیث و آثار کی کتابوں سے ایک روایت پیش خدمت ہے:

عمر بن دینار کہتے ہیں: وہب بن منبہ یمانی (اہل کتاب کے زبردست عالم اور مسلمان تابعی) نے مجھے بتایا تھا کہ توریت میں لکھا ہے: ”جو کسی جانور سے بد فعلی کرے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملعون ہے۔“ (عبدالرزاق ۳۶۶/۷)

اور مقدس بائبل میں ہے: تو مرد کے ساتھ صحبت نہ کرنا جیسے عورت سے کرتا ہے، یہ نہایت مکروہ کام ہے، تو اپنے کو نجس کرنے کے لئے کسی جانور سے صحبت نہ کرنا، اور نہ کوئی عورت کسی جانور سے ہم صحبت ہونے کے لئے اس کے آگے کھڑی ہو، کیونکہ یہ اوندھی بات ہے۔ (احبار ۲۲/۱۸-۲۳)

اور دوسری جگہ اس کی سزا کا بیان اس طرح ہے: ”اور اگر کوئی مرد سے صحبت کرے جیسے عورت سے کرتے ہیں تو ان دونوں نے نہایت مکروہ کام کیا ہے، سو وہ دونوں ضرور جان سے مارے جائیں، ان کا خون انہیں کی گردن پر ہوگا، اور اگر کوئی مرد کسی جانور سے جماع کرے تو وہ ضرور جان سے مارا جائے، اور تم اس جانور کو بھی مار ڈالنا، اور اگر کوئی عورت کسی جانور کے پاس جائے اور اس سے ہم صحبت ہو تو اس عورت اور جانور دونوں کو مار ڈالنا، وہ ضرور جان سے مارے جائیں، ان کا خون ان ہی کی گردن پر ہوگا۔“ (احبار ۲۰/۱۳، ۱۵-۱۶)

نیز یہ بھی لکھا ہے: ”وہ ضرور جان سے مارا جائے، اہل ملک اسے سنگسار کریں گے۔“ (احبار ۲۰/۲)

اور ایک دوسرے مقام پر دوسرے صحیفے میں ہے: ”جو کوئی کسی جانور سے مباشرت کرے وہ قطعی جان سے مارا جائے۔“
(خروج ب ۱۹/۲۲)

قرآن کریم میں ہے کہ اہل کتاب کے سارے انبیاء، جملہ علمائے یہود اور تمام متر معلمین و مدرسین و مبلغین احکام تورات کے پابند اور مکلف تھے، اور انہیں کے مطابق فیصلے صادر کرنے کے مجاز تھے، اگر ایسا نہ کرتے تو ان پر کفر کا حکم صادر کیا جاتا۔
(سورۃ المائدہ: ۴۴)

دیگر مذاہب: مذاہب ثلاثہ یعنی اسلام، یہودیت اور عیسائیت کے علاوہ دنیا کے دیگر مذاہب اور بالخصوص ہندوستانی مذاہب کی تعلیمات سے ہمیں قطعاً اس بارے میں کوئی واقفیت حاصل نہیں ہو سکی، جس کے لئے ہم اہل علم حضرات سے عرض گزار ہیں کہ وہ ہمیں جملہ قارئین و مستفیدین کو اس سلسلے میں معلومات بہم پہنچانے کی زحمت کریں، لیکن ہمیں اتنا کہنے میں گریز نہیں کہ ایران و خراسان اور ملک فارس کے زردشتی اور مجوسی مذاہب میں بھی لواطت و اغلام بازی کرنے والے فاعل و مفعول کی سزا قتل کر دینا اور جان سے مار ڈالنا تھی، جیسا کہ علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل (صفحہ ۳۰۷) میں تحریر کیا ہے کہ: ”اگر کوئی مرض اُبْنہ یعنی مقعد کے خارش بیماری کے سبب بھی لواطت کر لیتا تو اہل فارس اس کی گردن مار ڈالتے، لواطت کرنے والے کو بھی یہی سزا دیتے، وہ فاعل کو قاتل کا درجہ دیتے، کیونکہ اس نے اس نطفہ (قطرہ منی) کا ضیاع کیا ہے جس سے ایک انسان پیدا ہو سکتا تھا، اسی سبب سے وہ اس کا قتل مباح سمجھتے تھے۔“

الغرض نور الہی سے معمور نظیف و شفاف عقل نے بد فعلی کے ان جملہ جرائم کو کراہت کی نظر سے دیکھا اور اس پر سخت ترین فیصلہ صادر کیا ہے، لواطت و اغلام بازی، جانور کے ساتھ بد فعلی اور عورت کی دُبر میں ہمبستری مذاہب ثلاثہ اور اہل فارس کے نزدیک مذموم ترین عمل سمجھا گیا ہے، کبھی کسی نے اس کے لئے وجہ جواز تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی ہے، نہ معلوم عقل کے اوندھے لوگوں نے آج کے دور میں تاویلات باطلہ کے ذریعہ اسے درجہ جواز میں رکھنے کی مذموم کوشش کیوں کی ہے؟

اللہ تعالیٰ عقل سلیم اور عفت و غیرت کی توفیق ارزانی کرے، آمین۔ (۱)

وصلی اللہ علی رسلہ و انبیائہ و علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ۔



(۱) نوٹ: کتب احادیث و آثار اور فقہ اسلامی کی کتابوں میں ان بد فعلیوں اور بد اعمالیوں پر دنیا و آخرت کی عقوبت و حضرت کا بیان بھی کثرت سے وارد ہوا ہے، لیکن یہاں ان کے ذکر سے گریز کیا گیا ہے۔

اہل قلم سے گزارش

ماہنامہ محدث میں جامعہ سلفیہ کے استاد اور جماعت کے نامور عالم و مفتی و مصنف مولانا محمد رئیس ندوی، رحمہ اللہ، کی وفات کی جو خبر شائع ہوئی تھی اس کے اخیر میں ملت کے اصحاب قلم اور بالخصوص مولانا موصوف کے شاگردان و فیض یافتگان سے گزارش کی گئی تھی کہ مولانا مرحوم کی حیات و خدمات سے متعلق اپنے مقالات و تاثرات تیار کر کے ادارہ محدث کو ارسال فرمائیں تاکہ مولانا کی زندگی اور کارناموں پر محدث کا خصوصی نمبر شائع کیا جاسکے۔

اس تحریر کے ذریعہ ایک مرتبہ پھر سابقہ گزارش دہرائی جا رہی ہے، اور مولانا محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ پر مقالہ نویسی کی درخواست کی جا رہی ہے۔

ادارہ کو قوی امید ہے کہ اہل علم و فضل اس پہلو پر توجہ فرمائیں گے، اور مولانا مرحوم کی خدمات کے شایان شان نمبر کی اشاعت میں تعاون فرمائیں گے، جو قلم تاحیات دین و عقیدہ کی خدمت میں سرگرم رہا اب اس کا قرض ادا کرنے کی ذمہ داری ہم پر آگئی ہے، اللہ تعالیٰ اسے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

آپ کے تعاون کا منتظر
ادارہ ماہنامہ محدث
جامعہ سلفیہ، بنارس

مصنف دیوان گلشن ہدایت..... مولانا نظام الرحمن صاحب جھمکاوی^{۲۷}

(۱۳)

مولانا محمد حنیف مدنی

مدرس جامعہ سلفیہ بنارس

آپ مولانا علی منظر صاحب کے سب سے بڑے لڑکے ہیں، آپ کی پیدائش بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم مولانا علی منظر سے حاصل کی، اس کے بعد مولانا ابوسعید صاحب جھمکاوی اور مولانا ابوالخیر صاحب جھمکاوی سے تفسیر و حدیث اور دیگر علوم و فنون کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد شہر بنارس کا رخ کیا اور وہاں جماعت اہل حدیث کی مایہ ناز ہستی مولانا سعید بناری کا قائم کردہ مدرسہ جامعہ سعیدیہ دارہ نگر بنارس میں داخلہ لیا، وہاں تفسیر و حدیث، منطق و فلسفہ اور امور عامہ کی تعلیم حاصل کی، وہاں ساتویں جماعت تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن مالوف جھمکا آئے اور اپنے گھر یلو کاروبار (زراعت و تجارت) میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے باقی ماندہ تعلیم (فضیلت کی تعلیم) حاصل نہیں کر سکے، اللہ نے آپ کو کھیتی باڑی زیادہ دی تھی، اس زمانے میں آپ اسی پچاسی گاہہ زمین کے مالک تھے، پوری کھیتی و تجارت کی ذمہ داری آپ پر ڈال دی گئی، پھر کچھ زمانے کے بعد آپ مدرسہ اسلامیہ جھمکا میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے، آپ فارسی کے زبردست عالم تھے، گلستاں بوستاں وغیرہ کتابوں کو بغیر مطالعہ کے پڑھاتے تھے، موجودہ دور میں ان سے پڑھے ہوئے لڑکے آج بھی بڑی یونیورسٹیوں میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں اور ضلع مغربی چپارن کے مشہور و معروف عالم مفتی محمود عالم صاحب عمری آپ ہی کے شاگرد خاص ہیں، جھمکا کے لڑکے، لڑکیاں عموماً آپ ہی کے فیض یافتہ ہیں، آج بھی جھمکا کے لوگ ان کا نام بڑی عقیدت و محبت سے لیتے ہوئے اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کے جیسا فارسی پڑھانے والا استاذ آج تک سرزمین جھمکا میں نہیں پایا جاسکا۔

آپ نے ۱۹۸۶ء میں انتقال کیا۔

انتقال سے کچھ روز پہلے آپ نے بھگناہا بلوا (نیپال) میں سکونت اختیار کر لی تھی، وہاں سے اپنی لڑکی کے گھر موضع کھر سہواں تشریف لائے اور وہیں انتقال کر گئے، اس کے بعد آپ کی لاش کو جھمکا منتقل کر کے اپنی آبائی قبرستان جھمکا میں دفن کیا گیا، آپ نے دولڑے اور چار لڑکیاں اپنے پیچھے چھوڑے، لڑکوں کے نام یہ ہیں:

مولانا ریاض الرحمن اور مولانا مفیض الرحمن

لڑکیوں کے نام یہ ہیں: ریاضن خاتون، مقبولن خاتون، محمودہ خاتون، فہمیدہ خاتون

مولانا مختار المجید صاحب

آپ مولانا علی منظر صاحب کے دوسرے لڑکے ہیں، آپ کی پیدائش جھکا میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی، اس کے بعد مولانا ابوسعید جھکاوی و مولانا ابوالخیر جھکاوی سے ابوداؤد شریف، نسائی شریف، مشکاۃ شریف اور علوم منطق و فلسفہ کی تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد بنارس کا رخ کیا، مدرسہ سعید بنارس سے سند عالمیت حاصل کرنے کے بعد دو ماہ فضیلت کی تعلیم حاصل کی، پھر اپنے وطن جھکا آئے، اس کے بعد گھریلو کاروبار میں پھنس جانے کی وجہ سے باقی ماندہ تعلیم حاصل نہیں کر سکے، آپ بڑے تجربہ کار عالم تھے، بڑے بڑے علماء کو اپنے مد مقابل نہیں بیٹھنے دیتے تھے۔

وفات سے قبل چھ سات ماہ تک بیمار رہے، بھنگا بلو میں صبح ہوتے ہی آپ کی روح پرواز کر گئی۔

آپ بلو میں مدفون ہیں، آپ کے پانچ لڑکے ہیں جن کے نام یہ ہیں: مولوی وکیل، مولوی کفیل، مولوی شکیل، طفیل، نسیم، ان میں مولوی کفیل صاحب قابل ذکر اور بڑے مہمان نواز ہیں۔ لڑکیوں کے نام یہ ہیں: کلیمہ خاتون، انوار خاتون۔

مولانا مقصود الغنی صاحب

آپ مولانا علی منظر کے سب سے چھوٹے فرزند ہیں، ابتدائی تعلیم جھکا میں حاصل کی، مولانا ابوسعید جھکاوی اور مولانا ابوالخیر جھکاوی سے ابوداؤد شریف، مشکاۃ شریف اور منطق اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کی، پھر بنارس کا سفر کیا، مدرسہ سعید بنارس، دارالانگرم، بنارس میں مولانا ابوالقاسم صاحب سیف بناری سے بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، بیضاوی شریف اور دیگر علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی، فراغت کی ڈگری لے کر اپنے وطن جھکا آئے، آپ جید عالم و فاضل تھے اور فن فرائض کے ماہر تھے۔

وفات: جھکا سے منتقل ہو کر مغربی چمپارن کے ایک مشہور شہر چنپٹیا میں رہتے تھے، آپ پر فالج کا حملہ ہوا، فالج کے بعد ۱۲ برس تک زندہ رہے، آپ نے چنپٹیا میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہیں۔

لڑکوں کے نام یہ ہیں: مسعود الغنی، مقبول الغنی، رؤف الغنی، افتخار الزماں۔ لڑکیوں کے نام یہ ہیں: جاپانی خاتون، انغانی خاتون، پاکستانی خاتون۔

مولانا ریاض الرحمن صاحب جھکاوی

آپ مولانا نظام الرحمن صاحب کے سب سے بڑے لڑکے ہیں، ابتدائی تعلیم مقامی مکتب میں اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر مدرسہ دارالسلام سکٹا میں مولانا ابوسعید جھکاوی اور مولانا ابوالخیر جھکاوی سے مولوی تک تعلیم حاصل کی، اس کے بعد دارالعلوم احمدیہ سلفیہ درجہ تکہ میں داخلہ لیا، وہاں ایک سال پڑھنے کے بعد مدرسہ سعید بنارس میں آ گئے، وہاں مولانا ابوالقاسم سیف بناری سے ساتویں جماعت تک تعلیم حاصل کی، پھر جھکا کا تشریف لائے، مکتب کے اندر تدریسی خدمات انجام دیئے، پھر سکٹا مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

آپ عابد و زاہد، تہجد گزار، ہلنسار، غم خوار، سیدھے سادے اور نرم مزاج انسان تھے۔
وفات سے پہلے آپ دو برس بیماری میں مبتلا رہے، پھر جمعہ کے دن انتقال کر گئے، آپ اپنے آبائی قبرستان جھمکا میں مدفون ہیں۔
ان کے دولڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، لڑکوں کے نام یہ ہیں: شفیق الرحمن، توصیف الرحمن، لڑکیوں کے نام یہ ہیں: ممتاز النساء، ذاکرہ خاتون، ناصرہ خاتون۔

مولانا مفیض الرحمن صاحب جھمکاوی

آپ مولانا نظام الرحمن کے دوسرے اور چھوٹے فرزند ہیں، آپ کی پیدائش ۱۹۳۰ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، پھر مدرسہ دارالسلام سکفا میں مولانا ابوسعید جھمکاوی اور مولانا ابوالخیر جھمکاوی سے نسائی شریف، ابوداؤد شریف، ترمذی شریف، ابن ماجہ شریف اور تفسیر جلالین کی تعلیم حاصل کی، پھر بنارس کا رخ کیا اور مدرسہ سعیدہ بنارس میں داخلہ لیا، اور وہیں سے فراغت کی ڈگری حاصل کر کے اپنے وطن جھمکا تشریف لائے، دعوت و تبلیغ میں مشغول ہو گئے۔
آپ ایک اچھے خطیب اور بڑے عالم و مناظر تھے، ساتھ ساتھ بڑے شاعر تھے۔

وفات: جوانی کے عالم میں آپ بھنگا ہا سے جھمکا تشریف لائے اور وہیں انتقال کیا، اور اپنے آبائی قبرستان جھمکا میں مدفون ہیں۔

مولانا توصیف الرحمن صاحب جھمکاوی

آپ کی ولادت ۱۹۷۱ء میں جھمکا میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے دادا مولانا نظام الرحمن صاحب سے حاصل کی، پھر جماعت الہادیث کے مختلف مدارس مدرسہ منظر العلوم ملی رامپور مغربی چمپارن، مدرسہ سلفیہ کنز العلوم رگپور نیپال، مدرسہ اسلامیہ راگھونگر بھوارہ ضلع مدھوبنی، جامعہ فیض عام مئو میں تعلیم حاصل کی، ساتویں جماعت کے بعد آٹھ ماہ تک فضیلت کی تعلیم حاصل کر کے تعلیم چھوڑ دی، پھر تدریسی کام میں لگ گئے، اور فی الحال نیپال کے مشہور مدرسہ سلفیہ کنز العلوم رنگ پور میں تدریسی خدمت انجام دے رہے ہیں، ان کے دولڑکے ہیں: صفی الرحمن، عبید الرحمن۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین، والصلوة والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔



اس خاندان کے زندہ سپوتوں میں قابل ذکر و شخص ہیں جو اس خاندان کے متعلق مراجع کی حیثیت رکھتے ہیں جو یہ ہیں:

- (۱) ڈاکٹر عبد الماجد بن مولانا الباری بن مولانا عبد الرشید بن مولانا عبد الکریم بن علامہ عبد الہادی۔
 - (۲) مولوی توصیف الرحمن بن مولانا ریاض الرحمن بن مولانا نظام الرحمن بن مولانا علی منظر بن مولانا عبد الرحیم بن علامہ عبد الہادی۔
- اللہ اس خاندان کو سبز و شاداب رکھے، آمین۔

مرجع و مصدر

- ۱- مذکرہ ڈاکٹر عبد الماجد (قلمی)
- ۲- تاریخ جھمکا از فراق الاعظم انجینئر جھمکاوی (قلمی)

سرزمین دوا بہ میں وہابی تحریک کی سرگرمیاں

(قسط: ۱)

صدیق احمد نقیس احمد

فاضل جامعہ سلفیہ

وہابی تحریک کا پس منظر اور ماحول سیاسی پس منظر:

اٹھارہویں صدی میں مغلیہ سلطنت کی گزشتہ دو سو سالہ چمک دمک مدھم ہونے لگی تھی بلکہ یہ سلطنت بتدریج انتشار و زوال کی جانب بڑھ رہی تھی، اطراف ملک میں بغاوت و سورشیں عروج پر تھیں، نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی نے باری باری دلی کا استحصال کیا جس سے مرکزی اقتدار ضعف و اضمحلال کا شکار ہو گیا، نتیجہً مرکز سے تین جدا جدا اور بظاہر آزاد ریاستیں وجود میں آ گئیں، اورنگ زیب عالمگیرؒ کے سانحہ وفات کے چند سالوں بعد ہی ۱۷۳۷ء میں دکن میں آصف جاہ نظام الملک نے ۱۷۲۳ء میں اودھ میں سعادت علی برہان الملک نے، اور ۱۷۲۰ء میں بنگال میں علی وردی مہابت جنگ نے اپنی علاحدہ علاحدہ ریاستوں کی بنیاد ڈالی جوں جوں ان صوبائی ریاستوں کو ثبات و استحکام حاصل ہوا، مغلیہ سلطنت کے عزت و وقار اور عظمت و سر بلندی میں کمی آتی گئی، دریں اثناء اس سیاسی ابتری کے پیش نظر تین مختلف اور متنازع قوتیں اس خلا کو پر کرنے کے لئے تیار ہو چکی تھیں، مرہٹے، سکھ اور انگریز، جن میں بہادر انگریز اپنی ذہانت و عقلندی، زیرکی و فطانت کی بنیاد پر سب پر فوقیت رکھتا تھا، انگریزوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی اور تجارتی رہائش گاہوں کے لئے خصوصی مراعات شاہجہاں کے عہد میں ہی حاصل کر لیا تھا، اس سے انہیں اپنے سیاسی عزائم اور اظہار طاقت کے لئے محفوظ جگہ نصیب ہو گئی، سب سے پہلے انہوں نے مشرقی صوبہ جات بنگال اور بہار سے اپنے سیاسی سفر کا آغاز کیا، جو بہت پر امن اور خوش حال علاقہ تھا، ۱۷۵۷ء میں ”جنگ پلاسی“ برپا کر کے میر جعفر جیسے ملت فروشوں کی بدولت اس پر قبضہ کر لیا، اس فتح کا واضح نتیجہ یہ تھا کہ انگریز بہادر ہندوستان میں ایک اہم سیاسی طاقت بن گیا۔

اس عظیم کامیابی کے بعد انگریز ریاست اودھ کی جانب متوجہ ہوئے، نواب پر ناقابل برداشت عالی مطالب عائد کرنے لگا، یہاں تک کہ اس کا خزانہ خالی ہو گیا، اس کے بعد میر قاسم کو تخت نشین کیا، اس کے ساتھ بھی وہی سلوک روا رکھنا چاہا،

لیکن یہ انگریزوں کی امیدوں پر پورا نہ اترتا، بنا بریں مکرو فریب اور گہری سازشوں کا سلسلہ چل پڑا، جو ۱۸۶۴ء میں بکسر کی جنگ اور ۱۸۵۷ء میں دیوانی حوالہ کرنے پر تمام ہوا۔

مشرقی اور وسطی ہند کے بعد شاطر قوم کی نگاہ بدجنوبی ہند پر پڑی جہاں حیدر علی اور ٹیپو سلطان شہید سلطنت میسور کی طرح ڈال چکے تھے، ٹیپو شہید اس ریاست کو بہت ہی مضبوط، مربوط اور مستحکم بنانا چاہتے تھے تاکہ یہ انگریزوں کے منحوس سایہ سے محفوظ رہ سکے، لیکن جس قوم کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے میر جعفر اور صادق جیسے لوگ جنم لے چکے ہوں، اس کو تباہی سے کیسے بچایا جاسکتا ہے، آخر کار ۱۸۵۹ء میں شیردکن اور انگریز کی فوجیں آمنے سامنے ہوئیں، غداران قوم اور ملت فروشوں کو حرکت میں لایا گیا، میر صادق کی ضمیر فروشی اپنا کام کر گئی اور جو انمرد ٹیپو شہید اور اس کے جاں نثاروں نے جام شہادت نوش کیا۔ اٹھارہویں صدی کا نصف اول کی سیاسی حالت یہی تھی۔

اقتصادی پس منظر:

اٹھارہویں صدی میں ہندوستانی عوام اور خصوصاً مسلمانوں کی معاشی حالت بھی کچھ اچھی نہیں تھی، ہر نیا دن ان کے انحطاط و زوال میں اضافہ کر رہا تھا، تجارت پر انگریزوں کی مکمل اجارہ داری تھی، تجارت کے جملہ اقسام کو ایسٹ انڈیا کمپنی یا انگریز تاجروں کے حق میں خاص کر دینا اس زمانہ کی بدترین اقتصادی پالیسی تھی جس سے ہندوستانی عوام کا معاشی استحصال اور غربت و افلاس کا ایک مہیب ناک ماحول پورے سماج کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔

مغل شہنشاہوں، صوبائی گورنروں اور دیگر اعلیٰ حکام نے بہت سی معافیاں اور عطایات رعایا کو عطا کر رکھے تھے، جو جمہور رعایا کا اہم ذریعہ معاش اور گزر بسر کا سامان تھا، اس پر بھی انگریزی حکام نے ضرب لگائی، مالگزار اور لگان عائد کرنے کے لئے مسلسل کارروائیاں کی، جس سے انتشار اور بد امنی کی فضا قائم ہو گئی، خصوصاً مسلمانوں کو ان کی آراضی سے بے دخل کرنے کے لئے بے جا اور ناجائز طریقے ایجاد کئے گئے، معافیوں کے لئے ان سے ثبوت کا مطالبہ کیا گیا، حالانکہ آئین میں جائداد پر قبضہ اور تصرف سے متعلق کوئی قانون موجود ہی نہیں تھا، اس بے رحمی اور سفاکی کو تسلیم کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

”معافیوں کے لئے ہم نے ثبوت طلب کئے مگر جائدادوں پر قبضہ اور تصرف سے متعلق کسی واضح قانون کی غیر موجودگی میں وہ اپنی جاگیروں کے حق میں ثبوت نہ پیش کر سکے، ان کے وثیقوں اور سندوں کو موسم کی خرابی اور دیمک نے غارت کر دیا“۔

علاوہ ازیں یورپ کی تجارتی کمپنیوں کی آمد نے ملک کے قدیم اقتصادی نظام کو درہم برہم کر دیا تھا، تجارت کے نت

نئے دروازے کھل گئے اور ایک جدید تاجر طبقہ کو جنم دیا جو انگریزوں کے مفاد میں کام کرتا تھا، مالدار، حرس و طمع اور خود غرضی کی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔

اس نے شریف اور قدیم تجارتی طبقہ کی تذلیل و اہانت کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ رکھا، سماجی امتیاز و وقار کا معیار دولت کو مقرر کیا، اس اقتصادی بد حالی سے مسلمانوں کے معیار زندگی کس قدر متاثر ہوئی، اس کا تذکرہ کرتے ہوئے ”ہنٹر“ رقمطراز ہے کہ: ”اس سے جو ابتری اور نفرت و حقارت کے جذبات پیدا ہوئے وہ ہمیشہ کے لئے دیہاتی دستاویزات میں ثبت ہو چکے ہیں، سیکڑوں پرانے خاندان تباہ ہو گئے اور مسلمانوں کا تعلیمی نظام جس کا دار و مدار انہیں معاشیات پر تھا بالکل تہ و بالا ہو گیا۔“ (۱)

مذہبی حالات:

سیاسی اور اقتصادی ابتری سے کہیں زیادہ بدتر حالت مذہب کی تھی، اسلام کی حقیقی تصویر سے اہل وطن نا آشنا تھے، اسلامی تعلیمات اپنی پاکیزگی اور اعلیٰ قدروں کے باوجود اپنی ضیاء پاش کرنوں سے برصغیر کو مکمل طور سے منور کرنے سے قاصر تھیں، سماج میں شرک و بت پرستی کا زور، بدعات و خرافات کا غلغلہ اور ہندو انا تہذیب و کلچر کا اثر تھا، پیری مریدی عروج پر تھی، تقلید و جمود کا دور دورہ اور اتباع سنت کا فقدان تھا، کلام الہی طاقتوں کی زینت اور حدیث رسولؐ حصول برکت کے لئے خاص تھی، قرآن کریم اور حدیث رسولؐ کی کانوں میں بھنک پڑ جائے تو خیر کچھ حرج نہیں لیکن ان کی تحصیل میں عمر عزیز کے کچھ حصے نذر کئے جائیں یہ ناممکن!!

بڑے بڑے علماء کے خانوادے مشکوٰۃ شریف اور مشارق الانوار پڑھانا کافی خیال کرتے تھے۔ (۲)..... درس نظامی میں اگر کوئی کتاب واقعی درس سے خارج تھی تو یہی کتاب ربانی جسے قرآن مجید کہا جاتا ہے۔ (۳)

گجرات اور سندھ کو چھوڑ کر پورے ہندوستان میں کتاب اللہ اور سنت نبویؐ کی یہی درگت ہو رہی تھی، اس کی اہم وجہ یہ تھی کہ گجرات اور سندھ کے علاوہ ہندوستان کے اکثر حصے میں اسلام کی کرنیں درہ خیبر کی طرف سے پہنچی تھیں، اور اس راہ سے آنے والے مسلم فاتحین عموماً نو مسلم اور فارسی النسل تھے، عربی زبان سے غیر مانوس اور نہ واقف تھے، جس کی وجہ سے قرآن

(۱) ہمارے ہندوستانی مسلمان ص: ۱۸۵ تا ۱۸۶۔

(۲) الفرقان بریلی (ولی اللہ نمبر) ۱۹۳۱ء ص ۲۹۔

(۳) حوالہ سابقہ۔

و حدیث کو پڑھنے میں دشواری ہو رہی تھی، بنا بریں انہوں نے اسلام کے اصلی سرچشمے سے سیرابی حاصل کرنے کے بجائے فقہاء کے اقوال اور مجتہدین کے اجتہاد سے اپنے دینی و مذہبی مسائل کو حل کرنے پر مجبور ہوئے اور اسلام سے دور ہوتے چلے گئے، نتیجہً اسلام بدعات و خرافات اور ہندو رسم و رواج سے مختلط ہو گیا، پہناؤ اوڑھاؤ، رہن و سہن اور آداب و اطوار بالکل ہندوانہ رنگ میں رنگ گئے، یہاں تک کہ اس دور کی تعمیر اور مصوری وغیرہ سے بھی ”ہندوویت“ فیک رہی تھی، ایک انگلش مصنف "Hanell" کہتا ہے کہ ”فتح پور سیکری کی مسجد مسجد سے زیادہ ”وشنو“ مندر معلوم ہوتی ہے“۔ (۱) تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی مسلمانوں نے ہندوؤں کی تقلید کی بسم اللہ کو ترک کر کے اپنی کتابوں کا آغاز ”شری گیش اور سرسوتی“ سے کرتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہندوستان میں موثر ہونے سے کہیں زیادہ متاثر ہوا، اپنے کے علاوہ غیروں نے بھی اس پر اظہار افسوس کیا ہے، چنانچہ ایک غیر مسلم لکھتا ہے کہ ”اگر ہندوستان میں دین محمدی نے اپنے کچھ اثرات چھوڑے ہیں اور یہاں کے مذہب و عقائد میں کچھ تبدیلی کی ہے تو اس سے زیادہ وہ خود یہاں کے تمدن و مذہب سے متاثر ہوا ہے“۔ (۲)

ایسے نازک اور نامساعد گھڑی میں بعض حضرات نے اصلاح و تبلیغ کا بیڑا بھی اٹھایا، لیکن وہ ناکافی اور غیر موثر ثابت ہوئے، کیونکہ ایک صاحب اسلام اس کشمکش سے گزر رہا تھا تو دوسری جانب اہل تشیع پیر و مرید اور تصوف میں افراط و تفریط کرنے والوں کا غلغلہ تھا، تا آنکہ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے اصلاح و تجدید کا بیڑا اٹھایا، اکبر کا دین الہی جو اس وقت وجود میں آچکا تھا، مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے اپنی کوشش و جانفشانی اور ایثار و قربانی سے اس کا مقابلہ کیا، اور دنیا کو اس بدترین فتنے سے پاک کیا، شرک و بت پرستی اور ہندوویت کو زائل کیا۔



(۱) A Hand Book of Indian Art P.65 بحوالہ الفرقان بریلی (ولی اللہ نمبر) ص: ۳۲۔

(۲) تمدن ہند (فرنجی میں) از لوگون اردو ترجمہ ص: ۷۵۵، بحوالہ الفرقان بریلی ص: ۱۹۔

مجلس منتظمہ جامعہ سلفیہ، بنارس کا سالانہ اجلاس

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کی مجلس منتظمہ کی سالانہ میٹنگ بتاریخ ۱۷ شعبان ۱۴۳۰ھ مطابق ۹ اگست ۲۰۰۹ء بروز اتوار صبح دس بجے جامعہ کے میٹنگ روم میں صدر جامعہ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری کی صدارت میں شروع ہوئی، میٹنگ کا آغاز مولانا عبدالوہاب صاحب خلجی کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا، بعد ازاں مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ نے حاضرین کا خیر مقدم کیا اور میٹنگ میں شرکت پر ان کی خدمت میں اظہار تشکر فرمایا۔

پھر ایجنڈا نمبر (۱) کے تحت محترم ناظم صاحب نے پچھلی نشست کی کارروائی کی خواندگی فرمائی جس پر محترم صدر جامعہ نے دستخط ثبت فرما کر اس کی توثیق کی، اس تعلق سے حاضرین نے کچھ استفسارات کئے جن کا ناظم صاحب نے جواب دیا۔

اس کے بعد ایجنڈا نمبر (۲) کے تحت جامعہ کے مختلف شعبوں کی کارکردگی پر مشتمل رپورٹوں کے پیش کرنے کا سلسلہ شروع ہوا، سب سے پہلے تعلیم و تربیت سے متعلق رپورٹ محترم شیخ الجامعہ مولانا محمد یونس صاحب مدنی نے پیش کی، جس میں جامعہ کے تعلیمی معیار، امتحانات، نتائج، تعداد فارغین، تعداد طلبہ، اساتذہ، ملحق مدارس، ندوۃ الطلبہ اور ان سے متعلقہ دیگر امور کی تفصیلات پیش کیں۔

اس کے بعد شیخ اسعد اعظمی نے ادارۃ الحجۃ الاسلامیہ کی رپورٹ پیش کی جس میں سال بھر میں طبع شدہ کتابوں کی تفصیل، زیر تصنیف و ترمیم کتابوں کی تفصیل، شعبہ افتاء، شعبہ دعوت و تبلیغ اور شعبہ صحافت کی کارکردگی کا خلاصہ پیش کیا۔ ان دونوں رپورٹوں کے بعد محترم ناظم صاحب نے ان رپورٹوں میں وارد بعض جزئیات کی وضاحت کرنے کے علاوہ کچھ دیگر اہم امور کا تذکرہ فرمایا جن میں آئندہ برس سے جامعہ میں تعلیمی سال کا آغاز جولائی سے کرنے، متوسطہ اور ثانویہ کے مراحل میں ریاضی، سائنس اور جغرافیہ کی تعلیم انگلش زبان میں کرنے، مولانا آزاد یونیورسٹی سے جامعہ کو سنٹر ملنے، ملحق مدارس میں اضافہ اور ادارۃ الحجۃ سے متعلق بعض امور شامل ہیں۔

اس کے بعد مولانا عبدالوہاب صاحب خلجی نے ملحق مدارس میں اساتذہ کی تقرری، ادارۃ الحجۃ کی کمیٹی، اور محدث وصوت الامۃ سے متعلق بعض استفسارات فرمائے جن کا ناظم صاحب نے جواب دیا۔

مولانا اصغر علی امام مہدی صاحب نے بھی دونوں پرچوں کے تعلق سے کچھ مشورے دیئے، حافظ سلیمان میرٹھی صاحب نے شعبہ رابطہ عامہ سے متعلق استفسار کیا، اس کے علاوہ المنار اسکول اور امہات المؤمنین گرلس کالج سے متعلق کچھ مسائل پر بھی تبادلہ خیال ہوا، جس میں مولانا عبداللہ زبیری، جناب جمیل خاں، مولانا شاہد جنید صاحب وغیرہ نے حصہ لیا، جامعہ

کے تعلیمی معیار، تدریب المعلمین کے کورس کی ضرورت، اپنائے قدیم سے تعاون، ان کا اجتماع وغیرہ مسائل بھی زیر غور آئے۔ اس کے بعد ایجنڈا نمبر (۳) کے تحت محترم ناظم صاحب نے سال گزشتہ کی آمد و خرچ کا گوشوارہ اور اگلے مالی سال کا تخمینہ بجٹ پیش کیا جسے معمولی رد و بدل کے بعد مجلس نے منظور کیا، اس موقع سے جامعہ کے مالی مسائل سے متعلق کچھ اہم امور کی طرف ناظم صاحب نے حاضرین کی توجہ مبذول کرائی، اور ان پر شرکاء نے تبادلہ خیال کیا، بعد ازاں ظہر کی نماز کے لئے مجلس برخاست ہوئی، نماز کی ادائیگی کے بعد ایجنڈا نمبر (۴) کے تحت مجلس منظمہ کے عہدیداران کا انتخاب عمل میں آیا، حاضرین نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ صدر کے عہدہ پر ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری، نائب صدر اول کے عہدہ پر مولانا شاہد جنید سلفی، نائب صدر دوم کے عہدہ پر مولانا مظہر احسن ازہری حسب سابق برقرار رہیں گے، اسی طرح ناظم اعلیٰ کے عہدہ پر مولانا عبداللہ سعود سلفی، نائب ناظم اول کے عہدہ پر مولانا عبداللہ زبیری بھی حسب سابق برقرار رہیں گے، نائب ناظم دوم کے عہدہ پر فائز جناب محمد احمد صاحب کی مستقل علالت اور ان کی درخواست پر مجلس نے ان کی جگہ اس عہدہ کے لئے جناب محمد ارشد وزیری (بھدوہی) کا انتخاب کیا، واضح رہے کہ جامعہ کے رکن اور عظیم محسن جناب مشتاق احمد صاحب انصاری (بھدوہی) کے انتقال کے بعد انجمن جامعہ رحمانیہ نے ان کی جگہ پر جناب محمد ارشد وزیری کو رکن منتخب کیا ہے، مجلس نے خازن کے عہدہ پر جناب حاجی عبداللطیف صاحب کو بھی حسب سابق برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا۔

اس کے بعد گزشتہ ایک سال میں جامعہ و جماعت کے جن اعیان کا انتقال ہوا ان کے حق میں محترم ناظم صاحب نے دعاء مغفرت کی اور ان کی خدمات کو سراہا، جن مولانا محمد رئیس ندوی، محمد صالح انصاری سابق میسر بنارس، فضا ابن فیضی، حاجی مشتاق احمد وزیری، ڈاکٹر مختار احمد بنارس، محمد سالم بنارس، مولانا محمد عابد رحمانی، مولانا عبدالمتین میمن جونا گڑھی اور مولانا عبدالاول ریواں بستی رحمہم اللہ شامل ہیں۔

مولانا عین الباری صاحب عالیاوی (کلکتہ) نے جامعہ کی مالی مشکلات سے متعلق کچھ مشورے دیئے، مولانا سلیمان میرٹھی صاحب نے جامعہ میں کسی پروگرام کے انعقاد کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی۔

آخر میں صدر جامعہ نے صدارتی خطاب فرمایا جس میں آپ نے تمام شرکاء کو خوش آمدید کہتے ہوئے میٹنگ میں ان کی شرکت پر شکریہ ادا کیا، پھر آپ نے مختلف مسائل پر گفتگو فرمائی، مثلاً فتاویٰ جامعہ کی ترتیب و اشاعت، افتاء کی تربیت، تعلیمی معیار کے لئے کمیٹی اور اس کو فعال بنانے کی ضرورت، ملحق مدارس کا دورہ، بجٹ کی فراہمی کا مسئلہ وغیرہ، صدر موصوف کی دعاء پر میٹنگ اپنے اختتام کو پہنچی۔ اور تمام شرکاء نے دوپہر کا کھانا تناول فرمایا۔

(دفتر نظامت)

باب الفتاوی

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) تراویح پڑھانے والے امام کے پیچھے عشاء کی نماز ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) عورتیں نماز تراویح کے لئے آپس میں جماعت کر سکتی ہیں یا نہیں؟

ان سوالوں کا جواب قرآن و سنت کی روشنی میں دے کر مشکور ہوں۔

الجواب بعون اللہ الوہاب وھو الموفق للصواب:

(۱) صورت مسئلہ میں واضح ہو کہ تراویح کی نماز پڑھانے والے امام کی اقتداء میں عشاء کی نماز پڑھنا جائز ہے، مثلاً کوئی شخص مسجد آئے اور اس نے عشاء کی نماز نہ پڑھی ہو اور لوگ تراویح کی نماز پڑھ رہے ہوں تو اسے نماز عشاء کی نیت سے امام کے ساتھ تراویح کی نماز میں شامل ہو جانا چاہئے، اگر اس نے امام کے ساتھ دو رکعت پائی ہے تو جب امام سلام پھیر لے تو وہ بقیہ دو رکعت پڑھ کر اپنا فرض مکمل کر لے، ایسے میں وہ جماعت کا ثواب بھی پا جائے گا اور مقتدی کی نیتوں کے اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا، یعنی امام کی نفل کی نیت اور مقتدی کی فرض کی نیت کرنا جائز ہے، جیسا کہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی مشہور و معروف حدیث ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کی اقتداء میں جماعت کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ کر اپنی قوم کی طرف لوٹے تو یہی نماز عشاء پھر انہیں پڑھاتے۔ آپ ﷺ کو اس کا علم تھا پھر بھی آپ ﷺ نے انہیں منع نہیں فرمایا، اس سے ثابت ہوا کہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتداء صحیح ہے۔

اسی طرح صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول جناب محمد ﷺ کے صلاة الخوف کے مختلف طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک جماعت کو دو رکعت (فرض نماز) پڑھائی اور سلام پھیر دیا، پھر دوسری جماعت وہی دو رکعت پڑھائی اور پھر سلام پھیر دیا۔ (دیکھئے: صحیح سنن ابی داود، ج: ۱۱۱۲)

اس میں آپ ﷺ کی پہلی دو رکعت فرض تھیں اور دوسری دو رکعت نفل اور آپ ﷺ کے پیچھے دونوں جماعتیں فرض پڑھنے والی تھیں۔

معلوم ہوا کہ نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

(۲) مرد، غلام، یا عورت، عورتوں کی امامت کر سکتے ہیں، جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ

رضی اللہ عنہا کے غلام ذکوان ماہ رمضان میں قرآن دیکھ کر ان کی امامت کیا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج: ۲۱۶، امام بخاری نے بھی اس حدیث کو معلق بیان کیا ہے)

اسی طرح مجمع الزوائد میں بسند حسن حضرت جابر بن عبد اللہ سے یہ روایت مروی ہے کہ حضرت ابی بن کعب ماہ رمضان میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! رات ایک بات ہوگئی، آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابی کیا ہو گیا؟ حضرت ابی بن کعب نے عرض کیا، میرے گھر کی عورتوں نے کہا کہ ہم قرآن نہیں پڑھ سکتیں، لہذا ہم آپ کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتی ہیں، تو میں نے ان کو آٹھ رکعت تراویح پڑھادی، رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سن کر خاموشی اختیار کی، گویا اس بات کو آپ ﷺ نے پسند فرمایا۔ (مجمع الزوائد ۲/۷۴، دیکھئے: صلاة التراويح للابانی)

عورتوں کی نماز تراویح کی امامت کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ امام اس عورت کا محرم ہو، یا یہ کہ مرد دو یا دو سے زیادہ عورتوں کی امامت کرے، جبکہ فتنہ کا خوف نہ ہو، اور اللہ کے رسول جناب محمد ﷺ نے ام ورقہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھر کی عورتوں کی امامت کرائے۔ (صحیح سنن ابی داود، ج: ۵۵۳)

اور جب عورت امامت کرے گی تو وہ صف کے بیچ میں کھڑی ہوگی، اس لئے کہ ام سلمہؓ نے عورتوں کی امامت ان کے بیچ میں کھڑی ہو کر کی تھی۔ (دارقطنی، ج: ۱۴۹۳، بیہقی ۳/۱۳۱)

ہذا معندی واللہ أعلم بالصواب وعلمہ اتم وأحکم
حررہ: ابو عفان نور الہدی عین الحق سلفی مالد ہی
جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس

☆☆☆

اعلان

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں امسال تعطیل رمضان مورخہ ۲۵ شعبان ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۷ اگست ۲۰۰۹ء سوموار سے ۶ شوال ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۶ ستمبر ۲۰۰۹ء بروز سنچر تک متعین ہے۔
۷ شوال ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۷ ستمبر ۲۰۰۹ء بروز اتوار سے جامعہ میں دوبارہ تعلیم شروع ہو جائے گی، ان شاء اللہ۔

ادارۃ القبول والتسجيل

جامعہ سلفیہ، بنارس